وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

# تیسیر الکریم الرحمٰن
# فی تفسیر کلام المنان

المعروف

# تفسیر السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم الله الرحمن الرحيم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

**نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں**

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور

لندن • ہیوسٹن • نیویارک

DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس : 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)

Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

# تیسیر الکریم الرحمٰن

## فی تفسیر کلام المنّان

(اردو ترجمہ)

## پارۃ نمبر سولہ 16

مُفسّرِ قرآن: فضیلۃ الشیخ **عبدالرّحمان بن ناصر السّعدی** رحمہ اللہ

تحقیق: **عبدالرّحمان بن معلا اللّویحق** حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: **حافظ صلاح الدین یوسف** حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: **پروفیسر طیب شاہین لودھی** حفظہ اللہ

دارالسّلام
کتاب و سنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم الله الرحمن الرحيم

## فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُولُ

يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے:

”الٰہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پُشت ڈال دیا تھا۔“

(الفرقان: ۲۵/۳۰)

## فرمانِ نبوی

إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ

بِهَٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

# پارۃ نمبر سولہ 16

| نمبر شمار | نام سورت | صفحہ نمبر | شمار پارہ |
|---|---|---|---|
| ۱۸ | سورۃ الکھف (جاری) | 1539 | ۱۵ - ۱۶ |
| ۱۹ | سورۃ مریم | 1560 | ۱۶ |
| ۲۰ | سورۃ طٰہ | 1600 | ۱۶ |

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ

خضر نے کہا، کیا نہیں کہا تھا میں نے تجھ سے کہ بلاشبہ تو ہرگز نہیں کر سکے گا میرے ساتھ صبر ○ موسیٰ نے کہا، اگر سوال کروں میں تجھ سے

عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا وقفة

کسی چیز کی بابت اس کے بعد تو نہ ساتھ رکھنا مجھے، تحقیق پہنچ گیا تو میری طرف سے عذر کو ○ پھر چلے وہ دونوں،

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا

یہاں تک کہ جب آئے وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس تو انہوں نے کھانا مانگا اس بستی والوں سے، پس انہوں نے انکار کر دیا ان دونوں کی مہمان نوازی سے

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ

پھر پائی ان دونوں نے اس میں ایک دیوار، وہ چاہتی (قریب) تھی کہ گر جائے تو اس (خضر) نے سیدھا کر دیا اسے، موسیٰ نے کہا، اگر چاہتا تو، تو البتہ لیتا

عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ

اس پر اجرت ○ خضر نے کہا، یہ جدائی ہے میرے درمیان اور تیرے درمیان، اب بتاؤں گا میں تجھے حقیقت ان باتوں کی، کہ نہیں استطاعت رکھی تو نے

عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ

ان پر صبر کرنے کی ○ لیکن کشتی، سو تھی وہ (چند) مسکینوں کی، وہ کام کرتے تھے سمندر میں، پس چاہا میں نے یہ کہ

اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ

عیب دار کر دوں میں اسے، جب کہ تھا ان کے آگے ایک بادشاہ، لے لیتا تھا وہ ہر کشتی کو زبردستی ○ اور لیکن (وہ) لڑکا،

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ

تو تھے ماں باپ اسکے مومن، پس ڈرے ہم اس سے کہ وہ آمادہ کر دے گا ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں ○ پس چاہا ہم نے یہ کہ

يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ

بدلے میں دے ان دونوں کو ان کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور قریب تر شفقت میں ○ اور لیکن (وہ) دیوار، سو تھی وہ

لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ

واسطے (ان) دو لڑکوں کے کہ یتیم تھے وہ (اس) شہر میں، اور تھا نیچے اسکے خزانہ ان دونوں کے لیے، اور تھا باپ ان دونوں کا صالح،

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖۗ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ

تو چاہا تیرے رب نے یہ کہ پہنچیں وہ دونوں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا خزانہ مہربانی سے تیرے رب کی، اور

مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ ع ۱۰

نہیں کیا میں نے یہ کام اپنی رائے سے، یہ ہے حقیقت ان باتوں کی کہ نہیں استطاعت رکھی تو نے ان پر صبر کرنے کی ○

[illegible]

پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض ان کے نسیان کا نتیجہ تھا۔ دوسری مرتبہ اعتراض نسیان کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کا سبب عدم صبر تھا' اس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے عتاب کرتے ہوئے اور ان کو یاد دلاتے ہوئے کہا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ﴾

﴿لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ”کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے“ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا﴾ ”اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کسی چیز کی بابت پوچھا“ یعنی اس مرتبہ کے بعد ﴿فَلَا تُصٰحِبْنِيْ﴾ ”تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں“ یعنی آپ مجھے مصاحبت میں نہ رکھنے پر معذور ہیں۔ ﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾ ”آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ گئے“ یعنی آپ میری طرف سے معذور ہیں اور آپ نے کوتاہی نہیں کی۔ ﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا﴾ ”پس وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب آئے وہ ایک بستی کے لوگوں تک‘ تو کھانا مانگا بستی کے لوگوں سے“ یعنی بستی والوں سے مہمان کے طور پر ٹھہرانے کی استدعا کی۔ ﴿فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ ”پس انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا‘ تو انہوں نے ایک دیوار کو دیکھا جو گرا چاہتی تھی“ یعنی وہ منہدم ہوا چاہتی تھی: ﴿فَاَقَامَهٗ﴾ ”پس اس کو سیدھا کر دیا“ یعنی خضر علیہ السلام نے اسے تعمیر کر کے دوبارہ نیا بنا دیا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ ”اگر آپ چاہتے تو اس بستی والوں سے اس کام کی اجرت لے سکتے تھے۔“ بستی والوں نے ہمیں مہمان نہیں ٹھہرایا تھا اور آپ ہیں کہ بغیر کسی اجرت کے ان کی دیوار تعمیر کر رہے ہیں‘ حالانکہ آپ ان سے اجرت طلب کر سکتے ہیں۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام وہ شرط پوری نہ کر سکے جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ اس پر حضرت خضر نے ان کی رفاقت سے معذرت کر لی اور ان سے کہا: ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ ”اب جدائی ہے میرے اور آپ کے درمیان“ کیونکہ جو شرائط آپ نے خود اپنے آپ پر عائد کی تھیں (ان کو آپ پورا نہ کر سکے) اب کوئی عذر باقی نہیں رہا اور نہ مصاحبت کی کوئی وجہ۔ ﴿سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ”اب میں آپ کو بتاؤں گا ان چیزوں کی حقیقت‘ جن پر آپ صبر نہ کر سکے“ یعنی میں ان امور کے بارے میں آپ کو بتاؤں گا جن کے بارے میں آپ نے مجھ پر نکیر کی اور آپ کو بتاؤں گا کہ ان تمام کاموں کے پیچھے کچھ مقاصد تھے جن پر معاملہ مبنی تھا۔

﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ﴾ یعنی وہ کشتی جس میں میں نے سوراخ کر دیا تھا ﴿فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ ”وہ مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے“ ان پر ترس اور ان کے ساتھ مہربانی اس فعل کی مقتضی تھی۔ ﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ ”تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور ان کے ورے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو لے لیتا تھا چھین کر“ یعنی ان کا راستہ اس ظالم بادشاہ کے پاس سے گزرتا تھا‘ لہذا اگر کشتی صحیح سالم ہوتی اور اس میں کوئی عیب نہ ہوتا تو ظلم کی بنا پر اسے پکڑ لیتا اور غصب کر لیتا۔ میں نے اس کشتی میں اس لیے سوراخ کر دیا تھا تا کہ یہ کشتی عیب دار ہو جائے اور اس ظالم کی دست برد سے بچ جائے۔

﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ﴾ ”رہا وہ لڑکا“ یعنی وہ لڑکا جس کو میں نے قتل کیا تھا: ﴿فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ

﴿اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ ’’پس اس کے ماں باپ مومن تھے‘ پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ وہ ان کو مجبور کر دے گا سرکشی اور کفر اختیار کرنے پر۔‘‘ یعنی اس لڑکے کے بارے میں یہ مقدر تھا کہ اگر وہ بالغ ہو جاتا تو اپنے والدین کو کفر اور سرکشی پر مجبور کرتا۔ یا تو ان دونوں کی اس سے محبت کی بنا پر یا اس سبب سے کہ دونوں اس کے ضرورت مند ہوں گے اور ضرورت ان کو ایسا کرنے پر مجبور کر دے گی‘ یعنی میں اس بچے کے بارے میں مطلع تھا اس لئے میں نے اس کے والدین کے دین کی حفاظت کے لئے اس کو قتل کر دیا۔ اس جلیل القدر فائدے سے بڑھ کر اور کون سا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس بچے کے قتل کرنے میں ان کے لئے تکلیف اور ان کی نسل کا انقطاع ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو اور اولاد عطا کرے گا جو اس سے بہتر ہو گی بناء بریں فرمایا: ﴿فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾ ’’پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب اس سے بہتر پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایسا بیٹا عطا کرے گا جو نیک‘ پاک اور صلہ رحمی کرنے والا ہو گا کیونکہ وہ بچہ جس کو قتل کر دیا گیا تھا اگر بالغ ہو جاتا تو وہ والدین کا سخت نافرمان ہوتا اور وہ ان کو کفر اور سرکشی پر مجبور کر دیتا۔

﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ﴾ ’’وہ دیوار‘‘ جس کو میں نے سیدھا کر دیا تھا ﴿فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ ’’تو وہ دو یتیموں کی تھی اس شہر میں اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک تھا‘‘ یعنی ان کا حال ان پر رافت و رحمت کا تقاضا کرتا تھا کیونکہ وہ دونوں بہت چھوٹے تھے اور باپ سے محروم تھے‘ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کی نیکی کی بنا پر ان دونوں کی حفاظت فرمائی۔ ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ ’’پس آپ کے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا مدفون خزانہ نکال لیں‘‘ یعنی اس لئے میں نے دیوار منہدم کر دی اور اس کے نیچے سے ان کا خزانہ نکال لیا اور خزانے کو دوبارہ دفن کر کے دیوار کو بغیر کسی اجرت کے دوبارہ تعمیر کر دیا۔

﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ یعنی یہ جو میں نے افعال سرانجام دیئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے اس نے اپنے بندے خضر کو نوازا ہے۔ ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ ’’اور میں نے اسے اپنی طرف سے نہیں کیا‘‘ یعنی میں نے ان میں سے کوئی کام اپنی طرف سے مجرد اپنے ارادے سے نہیں کیا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا حکم تھا۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ جو میں نے آپ کے سامنے وضاحت کی ہے ﴿تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ’’یہ حقیقت ہے ان تمام واقعات کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔‘‘

اس تعجب خیز اور جلیل القدر قصے میں بہت سے فوائد‘ احکام اور قواعد ذکر کئے گئے ہیں‘ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(۱) اس قصے سے علم اور طلب علم کے لئے رحلت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نیز یہ کہ طلب علم اہم ترین معاملہ

ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلب علم کے لئے طویل سفر کیا اور تکالیف برداشت کیں۔ بنی اسرائیل کو تعلیم دینے اور ان کی راہ نمائی کے لئے ان کے پاس بیٹھنا ترک کر کے علم میں اضافے کے لئے سفر اختیار کیا۔

(٢) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اہم کام سے ابتداء کی جائے۔ انسان کا علم اور اس علم میں اضافہ کرنا اس کو ترک کرنے اور علم حاصل کئے بغیر تعلیم میں مشغول رہنے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ مگر دونوں امور کا یکجا ہونا زیادہ کامل اور افضل ہے۔

(٣) سفر و حضر میں، کام کاج اور راحت کے حصول کے لئے خادم رکھنا جائز ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔

(٤) اگر کوئی شخص طلب علم یا جہاد وغیرہ کے لئے سفر کرتا ہے اور مصلحت کے تقاضے کے مطابق اگر وہ اپنے مقصد اور منزل کے بارے میں بتاتا ہے تو یہ اس کو چھپانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کو ظاہر کرنے میں بہت سے فوائد ہیں، مثلاً اس سفر کی تیاری، سامان مہیا کرنے، اس کام کو دیکھ بھال کر احسن طریقے سے سرانجام دینے کا اہتمام اور اس جلیل القدر عبادت کے لئے شوق کا اظہار وغیرہ۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ (الکھف: ١٨/ ٦٠) ”میں اس وقت تک سفر کرتا رہوں گا جب تک کہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ میں برسوں چلتا رہوں گا۔“ اور جیسے نبی اکرم ﷺ نے جب غزوہ تبوک کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے بارے میں آگاہ فرما دیا تھا حالانکہ ایسے امور میں توریہ کرنا آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ یہ چیز مصلحت کے تابع ہے۔

(٥) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شر اور اس کے اسباب کو اس لحاظ سے شیطان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ بہکاتا ہے اور شر کو مزین کرتا ہے اگرچہ خیر و شر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے کہا: ﴿وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ (الکھف: ١٨/ ٦٣) ”شیطان نے مجھے اس کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔“

(٦) انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی طبیعت کے تقاضوں، مثلاً تھکاوٹ، بھوک اور پیاس وغیرہ کے بارے میں اطلاع دے، جبکہ اس میں صداقت ہو اور اس میں (اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر) ناراضی کے اظہار کا کوئی پہلو نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ (الکھف: ١٨/٦٢) ”ہمیں اپنے اس سفر میں بہت تھکاوٹ لاحق ہوئی ہے۔“

(٧) خادم کا ذہین و فطین اور سمجھدار ہونا پسندیدہ ہے تاکہ انسان اپنے مطلوبہ ارادوں کی بہتر طریقے سے تکمیل کر سکے۔

(٨) انسان کا اپنے خادم کو اپنے کھانے سے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا مستحب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے فرمایا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ (الکھف: ١٨/٦٢) ”لاؤ ہمارے پاس ہمارا کھانا“ یہ

اضافت سب کی طرف ہے' کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم نے اکٹھے کھانا کھایا۔

(۹) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے پر' اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم کرنے کے مطابق' اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کرنے والے کی جو مدد کی جاتی ہے وہ کسی اور کی نہیں کی جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ (الکھف: ۶۲/۱۸) ''اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہو گئی۔'' یہ دریاؤں کے سنگم سے متجاوز سفر کی طرف اشارہ ہے۔ دریاؤں کے سنگم سے ماقبل سفر کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تھکاوٹ کی شکایت نہیں کی' حالانکہ وہ بہت طویل سفر تھا کیونکہ یہی حقیقی سفر تھا۔ (لیکن اللہ کی مدد کی وجہ سے وہ محسوس نہیں ہوا) رہا دریاؤں کے سنگم کے بعد والا سفر تو ظاہر ہے کہ وہ سفر کا کچھ حصہ یعنی دن کا ایک حصہ تھا کیونکہ جب انہوں نے چٹان پر بیٹھ کر آرام کیا تھا وہاں مچھلی غائب ہوئی تھی' ظاہر ہے وہاں چٹان کے پاس ہی انہوں نے رات بسر کی پھر اگلی صبح سفر پر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ جب صبح کے کھانے کا وقت ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ (الکھف: ۶۲/۱۸) ''ہمارے لیے کھانا لاؤ۔'' یہاں آ کر خادم کو یاد آیا کہ اسے اس مقام پر مچھلی کے غائب ہونے کے بارے میں ذکر کرنا بھول گیا جو ان کی منزل اور مقصود سفر تھا۔ (لیکن اس تھوڑے سے سفر میں انہیں تھکاوٹ ہو گئی تھی)

(۱۰) اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ جس سے ان دونوں نے ملاقات کی تھی' نبی نہیں تھا بلکہ ایک صالح بندہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عبودیت کی صفت سے موصوف کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت اور علم سے نوازا تھا مگر رسالت اور نبوت کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر جناب خضر نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نبوت کا ضرور ذکر کرتا جیسا کہ دوسرے انبیاء و مرسلین کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ جہاں تک قصے کے آخر میں ان کے اس قول ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ (الکھف: ۸۲/۱۸) کا تعلق ہے تو یہ ان کے نبی ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ تو الہام اور تحدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ غیر انبیا کو الہام سے نوازا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ (القصص: ۷/۲۸) ''ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا کہ اس کو دودھ پلا۔'' اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ (النحل: ۶۸/۱۶) ''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ وہ پہاڑوں میں اپنے چھتے بنائے۔''

(۱۱) وہ علم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے' اس کی دو اقسام ہیں:

i) علم اکتسابی: جسے بندہ اپنی جد و جہد اور اجتہاد سے حاصل کرتا ہے۔

ii) علم لدنی: اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر کرم نوازی کرتا ہے اسے یہ علم عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (الکہف: ٦٥/١٨) ''ہم نے انہیں اپنی طرف سے ایک خاص علم سے نوازا تھا۔''

(١٢) ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ معلم کے ساتھ ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور متعلم کو چاہیے کہ وہ نہایت لطیف طریقے سے معلم سے مخاطب ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے اس طرح عرض کی تھی: ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (الکہف: ٦٦/١٨) ''کیا میں آپ کے پیچھے آ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ علم و دانش سکھائیں جو آپ کو عطا کی گئی ہے۔'' چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ملاطفت اور مشاورت کے اسلوب میں بات کی گویا عرض کی کہ کیا آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں گے یا نہیں اور ساتھ ہی یہ اقرار کیا کہ وہ متعلم ہیں۔ بے ادب اور متکبر لوگوں کا رویہ اس کے برعکس ہوتا ہے جو معلم پر یہ ظاہر نہیں کرتے کہ وہ اس کے علم کے محتاج ہیں بلکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حصول علم میں وہ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں بلکہ بسا اوقات ان میں سے بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے معلم کو تعلیم دے رہے ہیں۔ ایسا شخص سخت جاہل ہے۔ معلم کے سامنے تذلل اور انکساری اور معلم کے علم کا محتاج ہونے کا اظہار متعلم کے لئے بہت فائدہ مند چیز ہے۔

(١٣) اس قصہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایک عالم اور صاحب فضیلت شخص کو بھی علم حاصل کرتے وقت تواضع اور انکساری کا اظہار کرنا چاہیے' چاہے اس کا استاذ اس سے درجے میں کمتر ہی ہو کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بلاشبہ حضرت خضر علیہ السلام سے افضل تھے۔

(١٤) اس واقعے سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ عالم فاضل شخص کسی علم میں مہارت حاصل کرنے کے لئے جس میں وہ ماہر نہیں' اس شخص سے علم حاصل کرے جو اس علم میں مہارت رکھتا ہے اگرچہ وہ علم و فضل میں اس سے بدرجہا کمتر کیوں نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا جو دوسروں کو عطا نہیں کیا مگر یہ خاص علم جو حضرت خضر کے پاس تھا' آپ اس سے محروم تھے اس لئے اس علم کو سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بناء بریں ایک محدث و فقیہ کے لئے مناسب نہیں...... جبکہ وہ علم صرف و نحو وغیرہ میں کم مایہ ہو...... کہ وہ اس شخص سے یہ علم سیکھنے کی کوشش نہ کرے جو اس میں ماہر ہے اگرچہ وہ محدث اور فقیہ نہ ہو۔

(١٥) ان آیات کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علم اور دیگر فضائل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے' اس کا اقرار کرنا چاہیے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا

عُلِّمْتَ﴾ (الکہف: ٦٦/١٨) ’’آپ مجھے سکھائیں اس میں سے جو آپ کو سکھایا گیا ہے‘‘ یعنی اس علم سے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔

(١٦) علم نافع وہ علم ہے جو خیر کی طرف راہنمائی کرے‘ ہر وہ علم جس میں رشد و ہدایت اور خیر کے راستے کی طرف راہنمائی ہو‘ شر کے راستے سے ڈرایا گیا‘ یا ان مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہو‘ وہ علم نافع ہے۔ اس کے علاوہ دیگر علوم‘ وہ یا تو نقصان دہ ہوتے ہیں یا ان میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسے فرمایا: ﴿اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (الکہف: ٦٦/١٨)

(١٧) اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص میں عالم اور علم کی صحبت کے لئے قوت صبر اور حسن ثبات نہیں وہ علم حاصل کرنے کا اہل نہیں۔ جو صبر سے محروم ہے وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔ جو شخص صبر کو کام میں لاتا اور اس کا التزام کرتا ہے وہ جس امر میں بھی کوشش کرے گا اس کو حاصل کر لے گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے اس مانع کا ذکر کیا تھا جو ان کے لئے حصول علم سے مانع تھا اور وہ تھا جناب خضر کی معیت میں ان کا عدم صبر۔

(١٨) اس قصے سے ثابت ہوا کہ حصول صبر کا سب سے بڑا سبب‘ اس امر میں اس کا علم و آگہی ہے جس میں صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس وہ شخص جو اس بارے میں کچھ نہیں جانتا‘ نہ اس کے غرض و غایت‘ اس کے نتیجے‘ اس کے فوائد و ثمرات کا اسے علم ہے وہ صبر کے اسباب سے بے بہرہ ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ (الکہف: ٦٨/١٨) ’’جس چیز کے بارے میں آپ کو کوئی خبر نہ ہو آپ اس بارے میں کیسے صبر کر سکتے ہیں۔‘‘ پس جناب خضر نے اس چیز کے بارے میں عدم علم کو بے صبری کا سبب قرار دیا۔

(١٩) اس قصے سے مستنبط ہوتا ہے کہ جب تک کسی چیز کے مقصد اور اس بات کی معرفت حاصل نہ ہو جائے کہ اس سے کیا مراد ہے تو اس وقت تک اس پر خوب غور و فکر کیا جائے اور اس پر حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے۔

(٢٠) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ مستقبل میں واقع ہونے والے بندوں کے افعال کو مشیت الٰہی سے معلق کیا جائے۔ جب بندہ کسی چیز کے بارے میں کہے کہ وہ مستقبل میں یہ کرے گا تو اس کے ساتھ ان شاء اللہ ’’اگر اللہ نے چاہا‘‘ ضرور کہے۔

(٢١) کسی چیز کے فعل کا عزم‘ اس فعل کے قائم مقام نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ (الکہف: ٦٩/١٨) ’’اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔‘‘ پس انہوں نے

اپنے نفس کو صبر پر مجبور کیا مگر صبر نہ کر سکے۔

(۲۲) ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر معلم اس امر میں مصلحت سمجھتا ہو کہ متعلم بعض چیزوں کے متعلق سوال میں ابتدا نہ کرے جب تک کہ معلم خود اسے ان چیزوں سے واقف نہ کرائے ...... تو مصلحت ہی کی پیروی جائے، مثلاً: اگر معلم سمجھے کہ متعلم کم فہم ہے یا معلم متعلم کو زیادہ باریک سوال کرنے سے روک دے جبکہ اس کے علاوہ دیگر امور زیادہ اہم ہوں یا متعلم کا ذہن اس کا ادراک نہ کر سکتا ہو یا وہ کوئی ایسا سوال کرے جو زیر بحث موضوع سے متعلق نہ ہو۔

(۲۳) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں سمندر میں سفر کرنا جائز ہے جبکہ خوف نہ ہو۔

(۲۴) اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بھول جانے والے شخص کا اس کے نسیان کی بنا پر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوئی مواخذہ نہیں اور اس کی دلیل موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ﴾ (الکھف: ۷۳/۱۸) ''میری بھول پر مجھے نہ پکڑیے۔''

(۲۵) انسان کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے اخلاق اور معاملات میں عفو سے کام لے۔ ان کے ساتھ رویہ نرم رکھے ان کو ایسے امور کا مکلف نہ کرے جن کی وہ طاقت نہ رکھتے ہوں، یا ان پر شاق گزرتے ہوں یا ایسا کرنا ان پر ظلم کا باعث ہو کیونکہ یہ چیز نفرت اور اکتاہٹ کا باعث بنتی ہے بلکہ وہ طریقہ اختیار کرے جو آسان ہو تاکہ اس کا کام آسان ہو جائے۔

(۲۶) تمام معاملات میں ان کے ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے، مال اور خون وغیرہ کے دنیاوی معاملات میں ان کے ظاہر کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے، اس لیے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے کشتی میں سوراخ کرنے اور بچے کے قتل کرنے پر نکیر فرمائی کیونکہ یہ دونوں ایسے امور ہیں جو بظاہر منکر ہیں۔ جناب خضر کی مصاحبت کے علاوہ کوئی اور صورت حال ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اس لئے آنجناب نے اس پر عام معاملات کے مطابق حکم لگانے میں جلدی کی اور اس عارض کی طرف التفات نہ کیا جو آپ پر صبر اور انکار میں عدم عجلت کو واجب کرتا ہے۔

(۲۷) اس قصے سے ایک نہایت جلیل القدر قاعدہ مستنبط ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''چھوٹی برائی کے ارتکاب کے ذریعے سے بڑی برائی کا سد باب کیا جائے'' اور چھوٹی مصلحت کو ضائع کر کے بڑی مصلحت کی رعایت رکھی جائی۔ معصوم بچے کا قتل یقیناً بہت بڑی برائی ہے مگر اس کے زندہ رہنے سے ماں باپ کا دین کے بارے میں فتنہ میں مبتلا ہونا اس سے زیادہ بڑی برائی ہے، بچے کا قتل نہ ہونا اور اس کا باقی رہنا اگرچہ بظاہر نیکی ہے مگر اس کے والدین کے دین وایمان کا باقی رہنا زیادہ بڑی نیکی ہے اسی وجہ سے خضر علیہ السلام نے اس

بچے کو قتل کیا تھا۔ اس قاعدے کے بہت سے فوائد اور بہت سی فروع ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پس تمام مصالح اور مفاسد جو ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔

(٢٨) اس واقعے سے ایک اور جلیل القدر قاعدہ مستفاد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ''کسی شخص کے مال میں کسی دوسرے شخص کا ایسا عمل جو کسی مصلحت یا ازالہ مفسدہ کی خاطر ہو وہ جائز ہے، خواہ وہ بغیر اجازت ہی کیوں نہ ہو، خواہ اس سے کسی کے مال میں کچھ اتلاف ہی کیوں نہ واقع ہو۔'' جیسے جناب خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر کے اس میں عیب ڈال دیا تھا اور اس طرح وہ اس ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غصب ہونے سے بچ گئی۔ اسی طرح کسی شخص کے گھر یا مال کے ڈوبنے یا آگ لگنے کی صورت میں اگر کچھ مال کو تلف کر کے باقی مال یا گھر کے کچھ حصہ کو منہدم کر کے باقی گھر کو بچایا جا سکتا ہو تو ایسا کرنا جائز ہے بلکہ دوسرے کے مال کو بچانے کے لئے ایسا کرنا مشروع ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ظالم شخص کسی دوسرے کے مال کو غصب کرنا چاہتا ہے، کوئی دوسرا شخص جو مال کا مالک نہیں، اصل مالک کی اجازت کے بغیر، مال کا کچھ حصہ ظالم اور غاصب شخص کو دے کر باقی مال کو بچا لے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

(٢٩) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سمندر میں کام کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح خشکی میں۔ ارشاد فرمایا: ﴿يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ﴾ (الکھف: ٧٩/١٨) اور یہ فرمانے کے بعد ان کے عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔

(٣٠) کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ مسکین کچھ مال رکھتا ہے مگر وہ اس کے لئے کافی نہیں ہوتا اس لئے وہ ''مسکین'' کے نام کے اطلاق سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان مساکین کے پاس ایک کشتی تھی۔

(٣١) اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ اس بچے کے قتل کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ (الکھف: ٧٤/١٨) ''آپ نے ایک بہت برا کام کیا''

(٣٢) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصاص کے طور پر قتل کرنا برائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ (الکھف: ٧٤/١٨)

(٣٣) ان آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی جان اور اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔

(٣٤) ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ صالحین یا ان کے متعلقین کی خدمت کرنا کسی اور کی خدمت کرنے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان یتیموں کے مدفون خزانہ کو باہر نکالنے اور پھر ان کی دیوار تعمیر کر دینے میں یہ علت بیان فرمائی ہے کہ ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔

(٣٥) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں الفاظ استعمال کرتے وقت ادب کو ملحوظ رکھنا

چاہیے' چنانچہ جناب خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار کرنے کے فعل کی اضافت اپنی طرف کی: ﴿ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا ﴾ (الکھف: ١٨/ ٧٩) ''میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں'' اور خیر کی اضافت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کی۔ فرمایا: ﴿ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ (الکھف: ١٨/ ٨٢) اور جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ (الشعراء: ٢٦/ ٨٠) ''جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا کرتا ہے۔'' اور جنات نے کہا تھا: ﴿ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ (الجن: ٧٢/ ١٠) ''اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر رہنے والوں کے لئے کوئی برا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے بارے میں ان کے رب نے اچھا ارادہ کیا ہے۔'' حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وتقدیر سے ہوتا ہے۔

(٣٦) کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کسی بھی حال میں اپنے ساتھی سے علیحدہ ہو جائے اور اس کی صحبت کو ترک کر دے جب تک کہ اس کی سرزنش نہ کرے اور اس کا عذر نہ سن لے جیسا کہ خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

(٣٧) ان امور میں جو ناجائز نہیں' ایک ساتھی کی دوسرے ساتھی سے موافقت کرنا مطلوب اور دوستی کی بقا کا سبب ہے۔ اسی طرح عدم موافقت رشتہء دوستی کے منقطع ہونے کا سبب ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۭ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ

اور وہ (یہودی) پوچھتے ہیں آپ سے ذوالقرنین کی بابت' کہہ دیجئے! عنقریب پڑھوں گا میں تم پر اسکا کچھ ذکر ○ بلاشبہ ہم نے قدرت دی تھی اسے

فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ۙ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ

زمین میں، اور دیا تھا ہم نے اسے ہر چیز (قسم) سے ساز وسامان ○ پس پیچھے لگا وہ ایک راہ کے ○ یہاں تک کہ جب پہنچا وہ

مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ

جائے غروب پر سورج کی تو اس نے پایا اسکو کہ وہ غروب ہو رہا ہے ایک چشمے میں سیاہ کیچڑ کے اور پائی اس نے نزدیک اس (چشمے) کے ایک قوم؛

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ اَمَّا

کہا ہم نے، اے ذوالقرنین! یا تو یہ کہ تو سزا دے اور یا یہ کہ اختیار کرے تو ان کی بابت اچھائی ○ اس نے کہا، لیکن

مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَاَمَّا مَنْ

جو شخص ظالم ہے، تو عنقریب ہم سزا دیں گے اسے، پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف، پس وہ عذاب دے گا اسے عذاب سخت ○ اور لیکن وہ شخص

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ۭ

جو ایمان لایا اور عمل کئے نیک، تو اسکے لئے ہے بدلہ اچھا' اور عنقریب ہم کہیں گے (حکم دیں گے) اسے اپنے کام سے آسانی والا ○

اہل کتاب تھے یا مشرکین انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ان سے کہیں: ﴿سَاَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡهُ ذِكۡرًا﴾ ”میں پڑھتا ہوں تم پر اس کا کچھ حال“ جس میں نہایت مفید مگر تعجب خیز خبر ہے۔ یعنی میں تمہیں ذوالقرنین کے صرف وہی احوال سناؤں گا جن میں نصیحت اور عبرت ہے۔ ان کے علاوہ دیگر احوال، تو وہ ان کو نہیں سنائے گئے۔ ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الۡاَرۡضِ﴾ ”ہم نے اس کو قوت عطا کی تھی زمین میں“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی سے نوازا اور زمین کے گوشوں پر اس کے حکم کو نافذ کیا اور لوگوں کو اس کا مطیع بنایا۔ ﴿وَاٰتَيۡنٰهُ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتۡبَعَ سَبَبًا﴾ ”اور دیا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان پھر پیچھے پڑا وہ ایک سامان کے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے وہ تمام اسباب مہیا کئے جن کے ذریعے سے وہ ہر اس جگہ پہنچا جہاں وہ پہنچنا چاہتا تھا، جن کے ذریعے سے اس نے شہروں پر غلبہ حاصل کیا اور نہایت سہولت کے ساتھ دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا۔ اس نے وہ تمام اسباب جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کئے تھے بہتر طریقے سے استعمال کئے۔ پس ہر شخص کو اسباب مہیا نہیں ہوتے اور نہ ہر شخص اسباب مہیا کرنے کی قدرت ہی رکھتا ہے۔ پس جب سبب حقیقی اور اس کو عمل میں لانے کی قدرت یکجا ہو جائے تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور اگر دونوں یا کوئی ایک معدوم ہو تو مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

اور وہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کئے تھے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمایا نہ اس کے رسول ﷺ نے اور نہ اس بارے میں کوئی ایسی اخبار منقول ہیں جو افادہ علم کی موجب ہوں، اس لئے اس بارے میں سکوت اور ان اسرائیلیات کی طرف عدم التفات کے سوا کوئی چارہ نہیں جن کو ناقلین روایت کرتے ہیں۔ مگر ہم اجمالی طور پر یہ ضرور جانتے ہیں کہ داخلی اور خارجی طور پر یہ اسباب نہایت قوی تھے جن کی بنا پر اس کے پاس ایک عظیم فوج تیار ہو گئی تھی جو اپنی عددی قوت، سامان حرب اور نظم کے اعتبار سے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ اس فوج کی مدد سے اس نے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا اور زمین کے مشرق و مغرب اور اس کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے کی سہولت حاصل ہوئی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اسے وہ اسباب عطا کئے جن کے ذریعے سے وہ غروب آفتاب کی حد تک پہنچ گیا جہاں اس نے چشمے میں سورج کا عکس دیکھا گویا کہ وہ گدلے یعنی سیاہ پانی میں ڈوب رہا تھا۔ یہ منظر اس شخص کے لئے عام ہے، جس کے اور مغربی افق کے درمیان پانی ہو۔ اسے ایسے نظر آئے گا گویا سورج پانی کے اندر غروب ہو رہا ہے۔ اگرچہ وہ بہت بلندی پر ہو۔ اور مغرب کی سمت میں ذوالقرنین کو ایک قوم ملی۔ ﴿قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا﴾ ”ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! یا تو لوگوں کو تکلیف دے یا ان میں (اپنی بابت) خوبی رکھ“ یعنی خواہ تو ان کو قتل و ضرب یا قیدی بنا کر عذاب میں مبتلا کر یا ان پر احسان کر۔ ذوالقرنین کو ان دو امور

میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ کفار یا فساق کی قوم تھی یا ان میں کچھ کفر اور فسق موجود تھا کیونکہ اگر وہ غیر فاسق مومن ہوتے تو ان کو عذاب دینے کی اجازت نہ دی جاتی۔ پس ذوالقرنین کو سیاست شرعیہ کا کچھ حصہ ملا تھا، جس کے ذریعے سے اس نے اللہ کی توفیق سے ایسے کام کیے جن پر وہ مدح و ستائش کا مستحق ٹھہرا، چنانچہ اس نے کہا: ان کو دو قسموں میں تقسیم کر دوں گا۔

﴿ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ ﴾ ''جس نے ظلم کیا'' یعنی کفر کیا۔ ﴿ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴾ ''سو ہم اس کو سزا دیں گے، پھر لوٹ جائے گا وہ رب کے پاس، پس وہ عذاب دے گا اس کو برا عذاب'' یعنی اسے دو سزائیں ملیں گی، ایک سزا اس دنیا میں اور ایک سزا آخرت میں۔ ﴿ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ الْحُسْنٰى ﴾ ''اور جو کوئی ایمان لایا اور کیا اس نے بھلا کام، سو اس کا بدلہ بھلائی ہے۔'' یعنی اس کو جزا کے طور پر قیامت کے دن جنت عطا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھے احوال سے نوازا جائے گا۔ ﴿ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴾ ''اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی کا'' یعنی ہم اس سے اچھا سلوک کریں گے، ہم اس سے نرم بات اور آسان معاملہ کریں گے۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ذوالقرنین نیک بادشاہوں، اولیائے صالحین اور عدل کرنے والوں میں سے تھا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی موافقت کرتے ہوئے ہر شخص کے ساتھ وہی معاملہ کیا جس کے وہ لائق تھا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ

پھر پیچھے لگا وہ (اور) راہ کے ○ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا جائے طلوع پر آفتاب کی تو پایا اسے کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر

لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

کہ نہیں بنایا ہم نے انکے لیے سورج کے اس طرف کوئی پردہ ○ اسی طرح تھا، اور تحقیق احاطہ کر لیا تھا ہم نے اسکا جو کچھ کہ اسکے پاس تھا باعتبار علم کے ○

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ

پھر پیچھے لگا وہ ایک راہ کے ○ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا درمیان دو دیواروں کے تو پایا اس نے ان دونوں کے اُس طرف ایک قوم کو

لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ

کہ نہیں قریب تھی کہ سمجھ سکتی وہ کوئی بات ○ انہوں نے کہا، اے ذوالقرنین! بلاشبہ یاجوج اور ماجوج فساد کرنے والے ہیں

فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا

زمین میں تو کیا مقرر کریں ہم تیرے لئے کچھ مال اوپر اس (شرط) کے کہ بنا دے تو درمیان ہمارے اور درمیان انکے ایک بند ○ اس نے کہا، جو

مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

قدرت دی ہے مجھے اس میں میرے رب نے بہت بہتر ہے، پس تم مدد کرو میری ساتھ قوت کے تو بنا دوں گا میں تمہارے درمیان اور انکے درمیان

رَدۡمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ

ایک مضبوط دیوار○ تم لادو مجھے تختے لوہے کے، یہاں تک کہ جب اس نے برابر کردیا دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان، تو کہا، دھونکو (پھونکو) تم،

حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴿ؕ۹۶﴾ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا

یہاں تک کہ جب اس نے بنا دیا اسے آگ تو کہا، لاؤ میرے پاس، میں ڈال دوں اس پر پگھلا ہوا تانبا○ پس نہ تو وہ استطاعت رکھتے تھے

اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ ہٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ

یہ کہ چڑھ جائیں اس پر اور نہ استطاعت رکھتے تھے اس میں سوراخ کرنے کی○ ذوالقرنین نے کہا، یہ رحمت ہے میرے رب کی،

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ وَ کَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ﴿ؕ۹۸﴾

پس جب آجائے گا وعدہ میرے رب کا تو وہ کردے گا اسے ہموار (زمین) اور ہے وعدہ میرے رب کا حق○

یعنی جب وہ غروب آفتاب کی حدود تک پہنچ گیا تو واپس لوٹا اور ان اسباب کے ذریعے سے جو اللہ نے اسے عطا کر رکھے تھے طلوع آفتاب کی حدود کا قصد کیا پس وہ طلوع آفتاب کی حدود میں پہنچ گیا تو ﴿وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن دُونِهَا سِتْرًا﴾ ”پایا سورج کو کہ وہ ایسی قوم پر نکلتا ہے کہ نہیں بنایا ہم نے ان کے لیے آفتاب کے ورے کوئی پردہ“ یعنی اس نے دیکھا کہ سورج ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے کہ جس کے پاس دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی سامان نہ تھا یا تو اس بنا پر کہ وہ بنانے کی استعداد نہ رکھتے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ یکسر وحشی اور غیر متمدن تھے...... یا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس سورج غروب نہیں ہوتا تھا ہمیشہ نظر آتا رہتا تھا۔ جیسا کہ جنوبی افریقہ کے مشرقی حصوں میں ہوتا ہے۔ ذوالقرنین اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کسی انسان کا اپنے ظاہری بدن کے ساتھ پہنچنا تو کجا انسان کو ان علاقوں کے بارے میں علم تک نہ تھا...... بایں ہمہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے علم کے مطابق تھا۔ اس لئے فرمایا: ﴿كَذَٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾ ”یونہی ہے اور تحقیق ہم نے گھیر لیا تھا اس کے پاس کی تمام خبروں کو“ یعنی ذوالقرنین کے پاس جو بھلائی اور عظیم اسباب تھے اور جہاں کہیں وہ جاتا تھا سب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔

﴿ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ﴾ ”پھر لگا وہ ایک سامان کے پیچھے، یہاں تک کہ جب پہنچا وہ دو پہاڑوں کے درمیان“ اصحاب تفسیر کہتے ہیں کہ وہ مشرق سے شمال کی طرف روانہ ہوا اور وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا اور یہ دونوں اس زمانے میں معروف تھے۔ یہ دائیں بائیں دو بندوں کی مانند دو پہاڑی سلسلے تھے اور دونوں پہاڑ یاجوج و ماجوج اور لوگوں کے درمیان رکاوٹ تھے۔ ذوالقرنین کو ان پہاڑی سلسلوں کے اس طرف ایک ایسی قوم ملی جو اپنی اجنبی زبان اور اذہان و قلوب میں ابہام ہونے کی وجہ سے کوئی بات سمجھنے سے قاصر تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذوالقرنین کو ایسے علمی اسباب مہیا کر رکھے تھے جن کی بنا پر وہ اس اجنبی قوم کی زبان سمجھ سکتا تھا،

ان سے بات چیت کرسکتا تھا اور وہ اس سے بات کر سکتے تھے۔ پس ان لوگوں نے اس کے سامنے یاجوج وماجوج کی مار دھاڑ کی شکایت کی۔ یاجوج وماجوج آدم علیہ السلام کی نسل سے دو بہت بڑے گروہ تھے...... ان لوگوں نے ذوالقرنین کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہا: ﴿ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ﴾ ”یاجوج وماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں“، یعنی قتل وغارت اور لوٹ مار کے ذریعے سے زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ ﴿ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا ﴾ ”پس (تو کہے) تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول“ یعنی خراج ﴿ عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴾ ”اس شرط پر کہ تو بنا دے ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند“ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہ بند بنانے کی خود قدرت نہ رکھتے تھے اور انہیں علم تھا کہ ذوالقرنین یہ دیوار تعمیر کروا سکتا ہے۔ پس انہوں نے ذوالقرنین کو اجرت ادا کرنے کی پیشکش کی تاکہ وہ ان کے لئے دیوار تعمیر کروا دے اور انہوں نے ذوالقرنین کو وہ سبب بھی بتایا جو دیوار تعمیر کرنے کا داعی تھا...... اور وہ تھا یاجوج ماجوج کا ان کے علاقے میں مار دھاڑ کرنا اور فساد پھیلانا۔

ذوالقرنین لالچی تھا نہ دنیا کی اسے کوئی رغبت تھی اور نہ وہ رعایا کی اصلاح احوال کے لئے کوشش ترک کرنے والا تھا بلکہ اس کا مقصد تو محض اصلاح تھا' اس لئے اس نے ان کا مطالبہ مان لیا کیونکہ اس میں مصلحت تھی اور ان سے دیوار تعمیر کروانے کی اجرت نہ لی' اس نے بس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اسے دیوار بنانے کی طاقت اور قدرت عطا کی چنانچہ ذوالقرنین نے ان سے کہا: ﴿ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ ﴾ ”مجھے میرے رب نے جو قوت عطا کی ہے' وہ بہتر ہے“ یعنی جو بھلائی مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم مجھے عطا کرنا چاہتے ہو۔ البتہ میں چاہتا ہوں کہ تم افرادی قوت اور اپنے ہاتھوں کے ذریعے سے میری مدد کرو۔ ﴿ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴾ ”میں بنا دیتا ہوں تمہارے اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار“ یعنی میں ایسی رکاوٹ تعمیر کئے دیتا ہوں جسے وہ عبور کر کے تم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔

﴿ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ﴾ ”لا دو تم مجھے لوہے کے تختے“ یعنی لوہے کے ٹکڑے۔ پس انہوں نے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دیے۔ ﴿ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ ﴾ ”حتیٰ کہ جب اس نے دونوں کناروں تک برابر کر دیا“ یعنی جب دیوار ان دو پہاڑوں کے برابر ہو گئی جن کے درمیان یہ دیوار بنائی گئی تھی۔ ﴿ قَالَ انفُخُوا ﴾ ”کہا دھونکو“ یعنی بہت بڑا الاؤ جلاؤ اس کے لئے بڑی بڑی دھونکنی استعمال کرو تاکہ آگ کی تپش بہت شدید ہو جائے اور تانبا اچھی طرح پگھل جائے۔ جب تانبا پگھل گیا جس کو وہ فولاد کے تختوں کے درمیان ڈالنا چاہتا تھا تو ﴿ قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴾ ”کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔“ پس اس نے پگھلا ہوا تانبا دیوار پر ڈالا جس سے دیوار بے پناہ مضبوط ہو گئی اور یوں دیوار سے ادھر رہنے والے لوگ یاجوج اور ماجوج کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہو گئے۔

﴿فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا﴾ یعنی وہ اس دیوار پر چڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے کیونکہ یہ بہت بلند تھی اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے کیونکہ یہ بے حد مضبوط تھی۔ جب وہ اس اچھے اور جلیل القدر کام سے فارغ ہوا تو اس نے اس نعمت کی اضافت نعمت عطا کرنے والے کی طرف کی۔ اس نے کہا: ﴿هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ﴾ ”یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی“ یعنی یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔ اور یہ صالح خلفاء کا حال ہے جب اللہ تعالیٰ انہیں جلیل القدر نعمتوں سے نوازتا ہے تو ان کے شکر' اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اقرار اور اعتراف میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے...... جب اتنی دور سے ملکہ ء سبا کا تخت ان کی خدمت میں حاضر کیا گیا تھا...... اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اقرار کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ﴾ (النمل: ۲۷/ ۴۰) ”یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کا مرتکب ہوتا ہوں۔“ اس کے برعکس جابر' متکبر اور زمین پر عام غالب لوگوں کو بڑی بڑی نعمتیں اور زیادہ متکبر اور مغرور بنا دیتی ہیں' جیسا کہ قارون نے' جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی' کہا تھا: ﴿اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُهٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ﴾ (القصص: ۲۸/ ۷۸) ”یہ دولت مجھے اس علم کی بنا پر دی گئی ہے جو مجھے حاصل ہے۔“

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ﴾ ”پس جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا“ یعنی یاجوج و ماجوج کے خروج کا وعدہ ﴿جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ ”اس کو برابر کر دے گا۔“ یعنی اس مضبوط اور مستحکم دیوار کو گرا کر منہدم کر دے گا اور وہ زمین کے ساتھ برابر ہو جائے گی۔ ﴿وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا﴾ ”اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔“

وَتَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰهُمۡ جَمۡعًا ﴿۹۹﴾

اور چھوڑیں گے ہم انکے بعض کو اس دن، وہ گھس جائیں گے بعض میں اور پھونکا جائے گا صور میں، پھر جمع کریں گے ہم ان سب کو ○

وَّعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡكٰفِرِیۡنَ عَرۡضَا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِیۡنَ كَانَتۡ اَعۡیُنُهُمۡ فِیۡ غِطَآءٍ

اور سامنے لے آئیں گے ہم جہنم کو اس دن' کافروں کے روبرو ○ وہ لوگ کہ تھیں آنکھیں ان کی پردے میں

عَنۡ ذِكۡرِیۡ وَكَانُوۡا لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَمۡعًا ﴿۱۰۱﴾ ۱۱ ع ۱۹ ۲

میری یاد سے، اور تھے وہ نہیں استطاعت رکھتے سننے کی ○

﴿وَتَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ﴾ ”اور چھوڑ دیں گے ہم ان کے بعض کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے“ اس میں یہ احتمال ہے کہ ضمیر یاجوج و ماجوج کی طرف لوٹتی ہو۔ جب وہ اپنے علاقوں سے نکل کر لوگوں پر حملہ آور ہوں گے تو اپنی کثرت اور تمام زمین پر پھیل جانے اور اس کو بھر دینے کی وجہ سے سمندر کی موجوں کی مانند ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ

﴿مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ (الانبیاء: ٢١/ ٩٦) ''یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلند جگہ سے اتر پڑیں گے۔'' اور یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر خلائق کی طرف لوٹتی ہو یہ کہ لوگ قیامت کے روز اکٹھے ہوں گے وہ بہت زیادہ ہوں گے اور اضطراب' ہول اور زلزلوں کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکم پیل کر رہے ہوں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ: ﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ○ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ○ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ یعنی جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ تمام ارواح کو جسموں میں واپس لوٹا دے گا۔ پھر تمام اولین و آخرین' کفار اور مومنین کو اکٹھا کر کے میدان قیامت میں جمع کرے گا' تاکہ ان سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے' ان کا محاسبہ کیا جائے اور ان کے اعمال کی جزا دی جائے پس کفار کو' ان کے کفر کے مطابق' جہنم میں ڈالا جائے گا جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے۔ اسی لئے فرمایا:

﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا﴾ ''اور دکھلا دیں گے ہم جہنم اس دن کافروں کو سامنے'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ﴾ (الشعراء: ٢٦/ ٩١) ''اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لایا جائے گا۔'' یعنی کفار کے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ یہ ان کا ٹھکانا بنے اور تاکہ کفار جہنم کی بیڑیوں اس کی بھڑکتی ہوئی آگ' اس کے ابلتے ہوئے پانی اور اس کی ناقابل برداشت سردی سے متمتع ہوں اور اس کے عذاب کا مزا چکھیں جس سے دل گونگے اور کان بہرے ہو جائیں گے یہ ان کے اعمال کا نتیجہ اور ان کے افعال کی جزا ہے۔

یہ لوگ دنیا میں اس حال میں تھے: ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ﴾ ''ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے'' یعنی یہ لوگ ذکر حکیم اور قرآن کریم سے روگردانی کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ (حمٓ السجدة: ٤١/ ٥) ''جس چیز کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔'' اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کی فائدہ مند نشانیوں کو دیکھنے سے روکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَّعَلٰٓي اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ (البقرة: ٢/ ٧) ''اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔'' ﴿وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ ''اور وہ نہیں طاقت رکھتے تھے سننے کی'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو' جو ایمان تک پہنچاتی ہیں' قرآن اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے سن نہیں سکتے کیونکہ بغض رکھنے والا شخص جس کے خلاف بغض رکھتا ہے اس کی بات کو غور سے سن نہیں سکتا۔ جب وہ علم اور بھلائی کے راستوں سے محجوب ہو جاتے ہیں تب ان کے پاس سننے کے لئے کان ہوتے ہیں نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور نہ سمجھنے کے لئے عقل نافع۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا' اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا' اس لئے وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ

کیا پس گمان کیا ہے ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا، یہ کہ ٹھہرائیں وہ میرے بندوں کو، سوائے میرے کارساز؟

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

بلاشبہ ہم نے تیار کیا ہے جہنم کو کافروں کے لیے بطور مہمانی ○

یہ مشرکین اور کافروں کے دعوے کے بطلان کی دلیل ہے جنھوں نے بعض انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا' وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اولیائے کرام ان کے مددگار رہوں گے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلائیں گے اور ثواب عطا کریں گے' حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ استفہام اور انکار کے پیرائے میں' جس سے ان کے اس عقیدے کا عقلی طور پر بطلان متحقق ہوتا ہے...... فرماتا ہے: ﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''کیا سمجھتے ہیں کافر لوگ کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے سوا دوست'' یعنی ایسا نہیں ہوسکتا اور کوئی ولی اللہ' اللہ تعالیٰ کے کسی دشمن کو اپنا دوست نہیں بنا سکتا کیونکہ تمام اولیاء اللہ' اللہ تعالیٰ سے محبت' اس کی رضا' اس کی ناراضی اور اس کے بغض کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی موافقت کرتے ہیں۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کے اس ارشاد کے مشابہ ہے۔ ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ﴾ (سبا: ٣٤/ ٤٠-٤١) ''جس روز اللہ تمام لوگوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے (ان مشرکین کے متعلق) پوچھے گا کیا یہی وہ لوگ ہیں جو تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے' تو پاک ہے ان کی بجائے تو ہمارا ولی (دوست) ہے۔''

پس جو کوئی اس زعم میں مبتلا ہے کہ اس نے ولی اللہ کو اپنا دوست بنا لیا ہے جب کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ تو وہ سخت جھوٹا ہے...... ظاہر میں اس آیت میں اس معنیٰ کا احتمال ہے کہ کیا کفار نے' جو اللہ تعالیٰ کے منکر اور اس کے رسولوں کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں یہ گمان کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی و مددگار بنا لیں گے جو ان کی مدد کریں گے' ان کو فائدہ پہنچائیں گے اور ان سے تکلیفوں کو دور کریں گے؟ یہ ان کا باطل خیال اور فاسد گمان ہے کیونکہ مخلوق میں سے کسی کے قبضہء قدرت میں نفع و نقصان نہیں۔ یہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مشابہت رکھتا ہے۔ ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴾ (بنی اسراءیل: ١٧/ ٥٦) ''کہہ دیجیے کہ تم پکار دیکھو اپنے ان خود ساختہ معبودوں کو جن کو تم اللہ کے سوا کارساز سمجھتے ہو' تو (یاد رکھو) وہ تمہاری تکلیف دور کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نہ بدلنے کی۔'' اور

اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مشابہ ہے۔ ﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ﴾ (الزخرف: ۴۳/۸۶) ”وہ لوگ جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، سفارش کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔“ اور اس قسم کی دیگر آیات جن میں اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو ولی و مددگار بناتا ہے تا کہ وہ اس کی مدد کرے اور اس سے موالات رکھے وہ گمراہ ہے، وہ خائب و خاسر ہے اس کی امید پوری نہیں ہوگی اور نہ وہ اپنے مقصد کو پا سکے گا۔

﴿إِنَّآ أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا﴾ ”بے شک ہم نے تیار کیا ہے جہنم کو کافروں کی مہمانی کے لیے۔“ یعنی ہم نے کفار کی ضیافت اور مہمانی کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ پس کیا بدترین قیام گاہ ان کا مسکن ہے اور کیا بدترین جہنم ان کی مہمانی ہے!

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا ۝١٠٣ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کہہ دیجئے! کیا ہم خبر دیں تمہیں زیادہ خسارہ پانے والوں کی عملوں کے اعتبار سے؟ ○ وہ لوگ کہ ضائع ہوگئی کوشش انکی زندگانی دنیا میں،

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝١٠٤ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

جب کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ اچھا کر رہے ہیں کام ○ یہی لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا آیات کا اپنے رب کی،

وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝١٠٥ ذٰلِكَ

اور اس کی ملاقات کا، پس برباد ہو گئے عمل ان کے، سو نہیں قائم کریں گے ہم ان کے لئے دن قیامت کے کوئی وزن ○ یہ،

جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝١٠٦

سزا ان کی جہنم ہے بوجہ اس کے کہ کفر کیا انہوں نے، اور بنایا انہوں نے میری آیتوں کو اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا ○

اے محمد! (ﷺ) لوگوں کو ڈرانے کے لئے کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں آگاہ کروں جو علی الاطلاق، اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خائب و خاسر ہے؟ ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ”وہ لوگ جن کی کوششیں رائیگاں گئیں دنیا کی زندگی میں۔“ یعنی انہوں نے جو بھی عمل کیا سب باطل ہو کر رائیگاں گیا اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ تب ان اعمال کا کیا حال ہوگا جن کے بارے میں وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ باطل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت ہے؟ پس یہ کون لوگ ہیں جن کے اعمال رائیگاں گئے، جو قیامت کے روز خود اور ان کے اہل و عیال سب خائب و خاسر ہوئے۔ آگاہ رہو، یہ تو کھلا خسارہ ہے۔ ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا۔“ یعنی جنہوں نے آیات قرآنی اور آیات عیانی، جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان کی موجب ہیں...... کا انکار کیا ﴿فَحَبِطَتْ﴾ ”پس برباد ہو گئے“ اس انکار کے باعث ﴿أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ ”ان کے عمل، پس نہیں قائم کریں گے ہم ان کے لیے

قیامت کے روز کوئی تول۔'' وزن کا فائدہ تو نیکیوں اور برائیوں کے مقابلے کے وقت ہوتا ہے تاکہ راجح اور مرجوح کو دیکھا جا سکے اور ان لوگوں کے پاس تو نیکیاں سرے سے ہیں ہی نہیں کیونکہ ان میں نیکیوں کے معتبر ہونے کی شرط معدوم ہے اور وہ ہے ایمان۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا﴾ (طٰہٰ: ۱۱۲/۲۰) ''جو کوئی نیک عمل کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو اسے کسی ظلم اور حق تلفی کا خوف نہ ہوگا۔'' لیکن ان کے اعمال کو شمار کیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کا اقرار کریں گے اور وہ گواہوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں گے اور پھر ان اعمال کی پاداش میں انہیں عذاب دیا جائے گا اس لئے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ﴾ ''یہ بدلہ ہے ان کا'' یعنی ان کے اعمال کا ضائع جانا ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے' قیامت کے روز ان کی حقارت اور خساست کی وجہ سے ان کے اعمال کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ استہزا کیا اور ان کا تمسخر اڑایا' حالانکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں پر کامل طور پر ایمان لانا' ان آیات کی تعظیم کرنا اور انہیں پوری طرح قائم کرنا فرض ہے۔ مگر اس قضیے میں ان کا عمل اس کے برعکس ہے اس لئے وہ ہلاک ہوئے اور اوندھے منہ جہنم میں جا گرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار اور ان کے اعمال کا انجام ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان اور ان کے اعمال کا انجام ذکر فرمایا ہے' چنانچہ فرمایا:

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ﴿۱۰۷﴾

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے نیک' ہونگے ان کے لیے باغات فردوس کے بطور مہمانی کے ○

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

اس حال میں کہ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں، نہیں چاہیں گے وہ اس سے جگہ بدلنا ○

یعنی جو اپنے دل سے ایمان لائے اور اپنے جوارح سے نیک عمل کئے اور یہ وصف تمام دین' یعنی اس کے عقائد و اعمال اور اس کے ظاہری اور باطنی اصول و فروع سب کو شامل ہے۔ تمام اہل ایمان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے مراتب کے مطابق' جنت فردوس کے مختلف طبقات عطا ہوں گے۔ ''جنات الفردوس'' میں اس معنی کا احتمال ہے کہ اس سے مراد جنت کا بلند ترین' بہترین اور افضل درجہ ہو اور یہ ثواب ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کی تکمیل کی اور وہ ہیں انبیائے کرام اور مقربین۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے جنت کی تمام منازل اور اس کے تمام درجے مراد ہوں اور یہ ثواب جنت کے تمام طبقات' یعنی مقربین' ابرار اور متوسطین ان کے حسب حال سب کو شامل ہو اور یہی معنیٰ زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ معنی عام ہے' نیز اس لیے کہ جنت کو جمع کے لفظ کے ساتھ ''فردوس'' کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں فردوس کا اطلاق اس باغ پر ہوتا ہے جو انگور کی بیلوں اور گنجان درختوں پر مشتمل ہو تب یہ لفظ تمام جنت پر صادق آتا ہے۔ پس جنت فردوس ان لوگوں کے

لئے مہمانی اور ضیافت کی جگہ ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کئے۔ اس ضیافت سے بڑی زیادہ عظیم اور زیادہ جلیل القدر کون سی ضیافت ہو سکتی ہے جو قلب و روح اور بدن کے لئے ہر نعمت پر مشتمل ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت موجود ہے جس کی نفس خواہش کریں گے اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی' مثلاً خوبصورت گھر' سرسبز باغات' پھل دار درخت' سحر انگیز گیت' گاتے ہوئے پرندے' لذیذ ماکولات و مشروبات' خوبصورت بیویاں' خدمت گزار لڑکے' بہتی ہوئی نہریں' دلکش مناظر' حسی اور معنوی حسن و جمال اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔ اس سے بھی افضل اور جلیل القدر نعمت' رحمٰن کا تقرب' اس کی رضا کا حصول جو کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور رؤف و رحیم کے کلام سے لطف اندوز ہونا ...... اللہ کی قسم! یہ ضیافت کتنی جلیل القدر کتنی خوبصورت' ہمیشہ رہنے والی اور کتنی کامل ہو گی۔ یہ ضیافت اس سے بہت بڑی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی شخص اس کا وصف بیان کر سکے' یا دلوں میں اس کے تصور کا گزر ہو سکے۔

اگر بندوں کو ان میں سے کچھ نعمتوں کا حقیقی علم حاصل ہو کر ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے تو دل شوق سے اڑنے لگیں گے' جدائی کے درد سے روح لخت لخت ہو جائے گی اور بندے اکیلے اکیلے اور گروہ در گروہ اس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ وہ اس کے مقابلے میں دنیائے فانی اور اس کی ختم ہو جانے والی لذات کو کبھی ترجیح نہیں دیں گے۔ وہ اپنے اوقات کو ضائع نہیں کریں گے کہ یہ اوقات خسارے اور ناکامی کا باعث بنیں کیونکہ اس جنت کا ایک لمحہ دنیا کی ہزاروں سال کی نعمتوں کے برابر ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ غفلت نے گھیر رکھا ہے' ایمان کمزور پڑ گیا اور ارادہ اضمحلال کا شکار ہو گیا ہے' پس اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا **فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ "وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے" یہ تکمیل نعمت ہے۔ جنت میں کامل نعمتیں عطا ہوں گی اور ان نعمتوں کی تکمیل یہ ہے کہ وہ کبھی منقطع نہیں ہوں گی۔ ﴿لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ "نہیں چاہیں گے وہ وہاں سے جگہ بدلنی" یعنی وہ ان نعمتوں سے منتقل ہونا نہیں چاہیں گے کیونکہ وہ صرف اسی چیز کی طرف دیکھیں گے جو انہیں پسند آئے اور اچھی لگے' جس سے وہ خوش ہوں اور فرحت حاصل کریں اور اس سے بڑھ کر انہیں کوئی نعمت نظر نہیں آئے گی جس سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ
کہہ دیجئے' اگر ہو جائے سمندر (کا پانی) سیاہی باتیں لکھنے کے لیے میرے رب کی' تو البتہ ختم ہو جائے سمندر پہلے اس سے کہ ختم ہوں
كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾
باتیں میرے رب کی' اگرچہ لے آئیں ہم مثل اس کے (اور) بطور مدد کے ○

یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی لامحدود صفات کے متعلق آگاہ کر دیجیے، نیز ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ بندے ان صفات کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ ﴿لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ﴾ ''اگر ہوں سمندر'' یعنی اس دنیا میں موجود تمام سمندر ﴿مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيۡ﴾ ''میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے روشنائی'' یعنی روز اول سے لے کر آخر تک شہروں اور صحراؤں کے تمام درختوں کی قلمیں بن جائیں اور سمندر روشنائی میں تبدیل ہو جائیں۔ ﴿لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ﴾ تو سمندر ختم ہو جائیں گے اور قلم (لکھتے لکھتے گھس کر) ٹوٹ جائیں گے۔ ﴿قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيۡ﴾ ''پہلے اس کے کہ ختم ہوں میرے رب کی باتیں'' اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ مخلوق میں سے کوئی ہستی اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوۡ اَنَّ مَا فِي الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ يَمُدُّهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ﴾ (لقمٰن: ۳۱/ ۲۷) ''زمین پر جتنے بھی درخت ہیں، اگر وہ سب قلم بن جائیں، سمندر، جیسے سات سمندر روشنائی مہیا کریں، دوات بن جائیں تب بھی اللہ کی باتیں لکھتے لکھتے ختم نہ ہوں گی، بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے''۔

یہ معانی کو ذہن کے قریب تر کرنے کا ایک اسلوب ہے کیونکہ یہ تمام اشیا مخلوق ہیں اور تمام مخلوقات ختم ہونے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی جملہ صفات میں شمار ہوتا ہے اور اس کی صفات غیر مخلوق ہیں جن کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ پس جتنی بھی عظمتیں اور وسعتیں ہیں، جن کا تصور دلوں میں آ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی باقی صفات کا معاملہ ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی حکمت، اس کی قدرت اور اس کی رحمت...... اگر زمین اور آسمان کی مخلوق میں سے تمام اولین و آخرین کے علم کو اکٹھا کر لیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلے میں اتنا ہی قلیل ہے جتنا ایک چڑیا کی چونچ میں وہ پانی جو وہ ایک سمندر سے لیتی ہے۔ اس قطرہ آب کو جو نسبت عظیم سمندر سے ہے، وہی نسبت عام انسانوں کی صفت کو اللہ کی عظیم صفات سے ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عظیم، لامحدود اور کامل صفات کا مالک ہے اور ہر چیز کی انتہا اللہ ہی کے پاس ہے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا

(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے، یقیناً میں تو بشر ہوں تمہاری ہی طرح، وحی کی جاتی ہے میری طرف یہ کہ بلاشبہ تمہارا معبود، معبود ہے ایک ہی پس جو شخص ہے امید رکھتا

لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

ملاقات کی اپنے رب سے، تو چاہیے کہ وہ عمل کرے عمل صالح، اور نہ شریک ٹھہرائے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی ○

۱۲ ع ۴

﴿قُلۡ﴾ اے محمد (ﷺ) ان کفار سے کہہ دیجیے! ﴿اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ﴾ ''میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم'' یعنی میں معبود نہیں، اقتدار الٰہی میں میرا کوئی حصہ ہے نہ میرے پاس کوئی علم غیب ہے اور نہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہی ہیں: ﴿اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ﴾ میں اپنے رب کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ ﴿يُوۡحٰۤى﴾

﴿اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ''وحی آتی ہے مجھ پر کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے'' یعنی مجھے تم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف وحی کرتا ہے اور جلیل ترین وحی یہ ہے کہ اس نے تمہیں آگاہ کیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی ذرہ بھر عبادت کا مستحق ہے اور میں تمہیں ان اعمال کی دعوت دیتا ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس کے ثواب سے بہرہ ور کرتے ہیں اور تم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ''پس جس کو امید ہو اپنے رب سے ملاقات کی' سو وہ کرے نیک عمل۔'' اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب اور مستحب ہیں۔ ﴿وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ ''اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے'' یعنی اپنے اعمال میں ریا سے کام نہ لے بلکہ اس کے اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جو اخلاص اور اتباع کی جامع ہے اور اسی سے مطلوب ثواب حاصل ہو سکتا ہے۔ اس طریقے کے سوا دیگر طریقوں کو اختیار کرنے والے لوگ اپنی دنیا و آخرت میں خائب و خاسر لوگ ہیں۔ جو اپنے آقا و مولا کے قرب اور اس کی رضا کے حصول سے محروم ہوں گے۔

# تفسیر سُوْرَةُ مَرْيَمَ

سُوْرَةُ مَرْيَمَ (۱۹) مَكِّيَّةٌ (۴۴)

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیاتها ۹۸ رکوعاتها ۶

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③

کٓھٰیٰعٓصٓ ○ (یہ) ذکر ہے رحمت کا آپ کے رب کی، اپنے بندے زکریا پر ○ جب پکارا تھا اس نے اپنے رب کو پکارنا آہستہ ○

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ

زکریا نے کہا، اے میرے رب! بلاشبہ میں، کمزور ہو گئی ہیں ہڈیاں میری، اور بھڑک اٹھا ہے میرا سر بڑھاپے سے، اور نہیں ہوا میں (کبھی) تجھے پکار کر،

رَبِّ شَقِيًّا ④ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ

اے میرے رب! محروم ○ اور بلاشبہ میں ڈرتا ہوں اپنے وارثوں سے، اپنے پیچھے' اور ہے میری بیوی بانجھ، پس عطا کر تو مجھے

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥

اپنے پاس سے ایک وارث ○ کہ وہ وارث ہو میرا، اور وارث ہو آل یعقوب کا، اور تو بنا اسے، اے میرے رب! پسندیدہ ○

﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا﴾ ''یہ آپ کے رب کی اپنے بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے۔'' جو ہم آپ کے سامنے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ کے نبی زکریا علیہ السلام کے احوال' ان کے آثار صالحہ اور مناقب جمیلہ کی معرفت حاصل ہو گی کیونکہ اس قصے میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت اور پیروی کرنے والوں کے لئے ایک نمونہ ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی اپنے دوستوں پر رحمت کا مفصل ذکر اور اس

کے حصول کے اسباب کا بیان اللہ تعالیٰ کی محبت‘ اس کے ذکر کی کثرت‘ اس کی معرفت اور اس تک پہنچانے والے اسباب کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا اور انہیں اپنی وحی کے لئے مختص کر لیا۔ انہوں نے اس ذمہ داری کو اسی طرح ادا کیا جس طرح دیگر انبیاء و مرسلین نے ادا کیا۔ بندوں کو اپنے رب کی طرف دعوت دی اور انہیں وہ تعلیم دی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی تھی۔ اپنی زندگی میں اور اپنی موت کے بعد ان کی اسی طرح خیر خواہی کی جیسے ان کے برادران دیگر انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین نے کی تھی۔

جب انہوں نے اپنے آپ کو کمزور ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں اس بات کا خدشہ لاحق ہوا کہ وہ اس حال میں وفات پا جائیں گے کہ بندوں کو ان کے رب کی طرف دعوت دینے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں ان کی نیابت کرنے والا کوئی نہ ہوگا...... تو انہوں نے اپنے رب کے پاس اپنی ظاہری اور باطنی کمزوری کا شکوہ کیا اور اسے چپکے چپکے پکارا تاکہ یہ دعا اخلاص کے لحاظ سے اکمل و افضل ہو۔ انہوں نے عرض کی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ﴾ ”اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں“ اور جب ہڈیاں‘ جو کہ بدن کا سہارا ہیں‘ کمزور ہو جاتی ہیں تو دیگر تمام اعضاء بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا﴾ ”اور بھڑکا سر بڑھاپے سے“ کیونکہ بڑھاپا ضعف اور کمزوری کی دلیل‘ موت کا ایلچی اور اس سے ڈرانے والا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے ضعف اور عجز کو اللہ کی طرف وسیلہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ محبوب ترین وسیلہ ہے کیونکہ یہ بندے کے اپنی قوت و اختیار سے براءت اور دل کے اللہ تعالیٰ کی قوت و اختیار پر بھروسہ کرنے کے اظہار پر دلالت کرتا ہے۔

﴿وَلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾ ”اور تجھ سے مانگ کر اے رب‘ میں کبھی محروم نہیں رہا“ یعنی اے میرے رب! تو نے کبھی بھی میری دعا کو قبولیت سے محروم کر کے مجھے خائب و خاسر نہیں کیا بلکہ تو مجھے ہمیشہ عزت و اکرام سے نوازتا اور میری دعا کو قبول کرتا رہا ہے۔ تیرا لطف و کرم ہمیشہ مجھ پر سایہ فگن رہا اور تیرے احسانات مجھ تک پہنچتے رہے۔ یہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی گزشتہ دعاؤں کی قبولیت کو بارگاہ الٰہی میں بطور وسیلہ پیش کیا۔ پس حضرت زکریا علیہ السلام نے اس ہستی سے سوال کیا جس نے ماضی میں ان کو احسانات سے نوازا کہ وہ آئندہ بھی انہیں اپنی عنایات سے نوازے۔ ﴿وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ﴾ ”اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے“ یعنی مجھے خدشہ ہے کہ میری موت کے بعد بنی اسرائیل پر کون مقرر ہوگا؟ وہ تیرے دین کو اس طرح قائم نہیں کر سکیں گے جس طرح قائم کرنے کا حق ہے اور وہ تیرے بندوں کو تیری طرف دعوت نہیں دیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آ رہا تھا جس میں یہ لیاقت ہو کہ وہ ان کی دینی سربراہی کی ذمہ داری اٹھا سکے۔ اس سے حضرت زکریا علیہ السلام کی شفقت اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا ہے نیز

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے' کہ آپ کو بیٹے کی طلب عام لوگوں کے مانند نہ تھی' جس میں مجرد دنیاوی مصلحتیں مقصود ہوتی ہیں۔ آپ کی طلب تو صرف دینی مصالح کی بنا پر تھی آپ کو خدشہ تھا کہ کہیں دین ضائع نہ ہو جائے اور آپ کسی دوسرے کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا گھرانہ مشہور دینی گھرانوں میں سے تھا اور رسالت و نبوت کا گھر شمار ہوتا تھا اور اس گھرانے سے ہمیشہ بھلائی کی امید رکھی جاتی تھی' اس لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ وہ انہیں بیٹا عطا کرے جو ان کے بعد دینی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکے۔

انہوں نے شکوہ کیا کہ ان کی بیوی بانجھ ہے اور وہ بچہ جننے کے قابل نہیں اور وہ خود بھی بہت بوڑھے ہو گئے ہیں اور ایسی عمر میں داخل ہو گئے ہیں کہ جس میں شہوت اور اولاد کا وجود بہت نادر ہے۔ انہوں نے عرض کی: ﴿ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴾ ''سو عطا کر تو مجھ کو اپنی طرف سے ایک معاون'' اور یہ ولایت' دینی ولایت ہے اور نبوت' علم اور عمل کی میراث ہے' اس لئے فرمایا: ﴿ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴾ ''جو وارث ہو میرا اور وارث ہو یعقوب کی اولاد کا اور کر اس کو اے میرے رب پسندیدہ'' یعنی اسے نیک بندہ بنا جس سے تو راضی ہو اور تو اسے اپنے بندوں کا محبوب بنا دے۔ غرضیکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی جو ان کے مرنے کے بعد باقی رہے' جو ان کا ولی اور وارث بنے' اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور نبی ہو۔ یہ اولاد کی بہترین صفات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر بے پایاں رحمت ہے کہ وہ اسے ایسا نیک بیٹا عطا کرے جو مکارم اخلاق اور قابل ستائش عادات کا جامع ہو۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ

اے زکریا! بے شک ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھے ایک لڑکے کی، کہ نام اسکا ہے یحییٰ نہیں بنایا ہم نے اسکا، پہلے اس سے، کوئی ہم نام ○ زکریا نے کہا،

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧

اے میرے رب! کیسے ہوگا میرے لیے لڑکا جبکہ ہے میری بیوی بانجھ، اور تحقیق پہنچ چکا ہوں میں بڑھاپے کی آخری حد کو؟ ○

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ

کہا (فرشتے نے بات) اسی طرح ہے (لیکن) کہا تیرے رب نے، وہ مجھ پر آسان ہے، اور تحقیق پیدا کیا میں نے تجھے پہلے اس سے،

وَلَمْ تَكُ شَيْــًٔا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ

درآنحالیکہ نہیں تھا تو کچھ بھی ○ زکریا نے کہا، اے میرے رب! ٹھہرا دے میرے لئے کوئی نشانی، فرمایا، نشانی تیری یہ ہے کہ نہ بات کر سکے گا تو لوگوں سے

ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ

تین راتیں تندرستی کے باوجود ○ پس وہ نکلا اوپر اپنی قوم کے، حجرے سے، تو اس نے اشارہ کیا ان کی طرف

اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ⑪

یہ کہ تم تسبیح بیان کرو صبح اور شام ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتوں کے توسط سے ''یحییٰ'' (علیہ السلام) کی خوشخبری سنائی اور اللہ تعالیٰ نے اس (بیٹے) کو ''یحییٰ'' کے نام سے موسوم کیا۔ اسم اپنے مسمی کے عین موافق تھا' چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نے حسی زندگی بسر کی جس سے اللہ تعالیٰ کی عنایت کی تکمیل ہوئی اور آپ نے معنوی زندگی بھی بسر کی' وہ ہے وحی' علم اور دین کے ذریعے سے قلب وروح کی زندگی۔ ﴿لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا﴾ ''نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی'' یعنی اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے آپ جیسا کوئی نہیں بنایا' تب یہ ان کی کاملیت اور اوصاف حمیدہ سے ان کے متصف ہونے کی بشارت ہے' نیز یہ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے سے پہلے تمام لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں...... مگر اس احتمال کے مطابق' اس عموم میں سے حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت نوح علیہم السلام اور ان جیسے دیگر انبیاء کرام کو مخصوص کرنا ہوگا جو قطعی طور پر حضرت یحییٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔

جب ان کے پاس اس مولود کے بارے میں' جس کے لئے انہوں نے دعا مانگی تھی' خوشخبری آ گئی تو انہوں نے اس کو عجیب وغریب سمجھا اور تعجب کرتے ہوئے عرض کی: ﴿رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ﴾ ''اے رب! کہاں سے ہو گا میرے لیے لڑکا؟'' اور حال یہ ہے کہ مجھ میں اور میری بیوی میں بعض ایسے اسباب موجود ہیں جو اولاد کے وجود سے مانع ہیں۔ گویا آپ کی دعا کے وقت آپ کے سامنے یہ مانع مستحضر نہ تھا اور اس کا سبب قلب میں وارد ہونے والے جذبے کی قوت اور بیٹے کی شدید خواہش تھی اور اس حال میں جب آپ کی دعا قبول ہوگئی تو آپ کو تعجب ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ﴾ ''یوں ہی ہوگا' فرما دیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے'' یعنی وہ امر جو عادۃً اور مخلوق میں سنت الٰہی کے مطابق ناممکن ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اسے اسباب کے بغیر وجود میں لانے کی صلاحیت رکھتی ہے' اس لیے یہ اس کے لئے بہت آسان ہے۔ اس کو وجود میں لانا اس سے زیادہ مشکل نہیں جو اس سے قبل اس کو وجود میں لایا تھا' جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔

﴿قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً﴾ ''زکریا نے کہا: اے رب! ٹھہرا دے میرے لیے کوئی نشانی'' یعنی جس سے میرا دل مطمئن ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر میں شک نہیں' بلکہ یہ ویسے ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی تھی ﴿رَبِّ اَرِنِىۡ كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنۡ لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۶۰) ''اے میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو کیسے مردوں کو زندہ کرے گا؟ فرمایا: کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کی کیوں نہیں' مگر یہ اس لئے پوچھا ہے تاکہ اطمینان قلب حاصل ہو۔'' پس ان کو اپنے علم میں اضافہ کی طلب تھی' انہیں علم الیقین کے بعد عین الیقین کے مقام پر پہنچنے کی خواہش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے ان کی دعا قبول فرمائی۔ ﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ ''فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو بات نہیں کرے گا لوگوں سے تین رات تک صحیح تندرست ہوتے ہوئے۔'' ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ

﴿ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا﴾ (ال عمران: ۳/ ۴۱) ’’تو بات نہیں کرے گا تین دن تک، مگر اشارے سے‘‘ دونوں کا معنی ایک ہے کیونکہ کبھی رات سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی دن سے، دونوں کا مقصد ایک ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تعجب خیز نشانیوں میں سے ہے کیونکہ تین دن تک، بغیر کسی بیماری اور نقص کے اور بغیر گونگا ہوئے بلکہ صحیح سلامت حالت میں بولنے سے عاجز ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے جو فطرت کے قوانین عادیہ کو توڑ سکتی ہے۔ بایں ہمہ حضرت زکریا علیہ السلام صرف اس کلام سے عاجز تھے جس کا تعلق انسانوں سے ہے۔ تسبیح اور ذکر وغیرہ سے یہ چیز مانع نہ تھی۔ بناء بریں ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ (ال عمران: ۳/ ۴۱) ’’نہایت کثرت سے صبح و شام اپنے رب کا ذکر اور تسبیح کر۔‘‘ پس ان کا دل مطمئن ہو گیا اور وہ اس عظیم بشارت سے خوش ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی عبادت اور ذکر کے ذریعے سے اس کا شکر ادا کیا۔ پس وہ اپنی محراب میں معتکف ہو گئے اور وہاں سے وہ اپنی قوم کے سامنے آئے ﴿فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ﴾ اور انہیں حکم دیا یعنی اشارے اور رمز کے ساتھ: ﴿اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ ’’کہ صبح اور شام اللہ کی پاکیزگی بیان کرو‘‘ کیونکہ یحییٰ علیہ السلام کی بشارت تمام لوگوں کے حق میں دینی مصلحت تھی۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ

(اللہ نے فرمایا) اے یحییٰ! پکڑ کتاب کو ساتھ قوت کے اور دیا ہم نے اسے حکم بچپن ہی میں ○ اور (دی ہم نے) شفقت اپنی طرف سے اور پاکیزگی،

وَكَانَ تَقِيًّا ⑬ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ

اور تھا وہ نہایت پرہیزگار ○ اور نیکی کرنے والا ساتھ اپنے ماں باپ کے، اور نہیں تھا وہ سرکش، نافرمان ○ اور سلام ہے اس پر

يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮ؑ

جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ اٹھایا جائے گا زندہ کر کے ○

گذشتہ کلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت، ان کے شباب اور ان کی تربیت پر دلالت کرتا ہے۔ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام اس عمر کو پہنچ گئے جس عمر میں خطاب سمجھ میں آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ قوت یعنی کوشش اور اجتہاد کے ساتھ کتاب اللہ کو پکڑے رکھیں یعنی اس کے الفاظ کی حفاظت، اسکے معانی کے فہم اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل میں پوری کوشش اور اجتہاد سے کام لیں ...... یہ ہے کتاب اللہ کو کامل طور پر پکڑنا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی، انہوں نے کتاب اللہ کی طرف توجہ کی، اسے حفظ کیا اور اس کا فہم حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی ذہانت و فطانت عطا کی جو کسی اور میں نہ تھی اس لئے فرمایا: ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ ہم نے اسے بچپن ہی سے احکام الٰہی اور ان کی حکمتوں کی معرفت سے نوازا، نیز ﴿وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ ’’اور شفقت اپنی طرف سے‘‘ یعنی رحمت اور رافت عطا کی جس کی بنا پر ان کے تمام امور آسان ہوئے، ان کے احوال کی اصلاح ہوئی اور

ان کے تمام اعمال درست ہوئے۔ ﴿وَزَكٰوةً﴾ ''اور ستھرائی'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں اور آفات سے پاک کیا۔ پس ان کا قلب پاک اور ان کی عقل صیقل ہوگئی اور یہ چیز تمام اوصاف مذمومہ اور اخلاق قبیحہ کے زائل ہونے اور اوصاف محمودہ اور اخلاق حسنہ میں اضافے کو متضمن ہیں۔

﴿وَكَانَ تَقِيًّا﴾ ''اور تھے وہ پرہیزگار'' یعنی مامورات کی تعمیل کرنے والے اور محظورات کو ترک کرنے والے تھے اور جو کوئی مومن اور متقی ہے وہ اللہ کا ولی اور اہل جنت میں سے ہوتا ہے وہ جنت جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور مومن متقی کو دنیاوی اور اخروی ثواب حاصل ہوتا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ پر مرتب کر رکھا ہے۔

﴿وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ﴾ ''اور تھے وہ نیکی کرنے والے اپنے ماں باپ کے ساتھ'' نیز یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے یعنی ان کی نافرمانی کرنے والے اور ان کے ساتھ برائی سے پیش آنے والے نہ تھے بلکہ وہ قول و فعل کے ذریعے سے اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے تھے۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ ''اور نہ تھے وہ سرکش' خودسر'' یعنی وہ تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روگردانی کرنے والے نہ تھے اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بندوں سے بڑا سمجھتے تھے نہ اپنے والدین سے بلکہ وہ متواضع' عاجز' مطیع اور ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والے تھے۔ پس وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے والے تھے' اس لئے ان کو اپنے تمام احوال میں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی حاصل تھی۔

﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ ''اور سلام ہو ان پر جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مریں گے اور جس دن اٹھ کھڑے ہوں گے زندہ ہو کر'' اور یہ ارشاد ان تینوں احوال میں شیطان' اس کے شر اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی کا تقاضا کرتا ہے' نیز اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جہنم اور اس کی ہولناکیوں سے محفوظ اور اصحاب دار السلام میں سے ہیں...... اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں آپ پر' آپ کے والد پر اور تمام انبیاء و مرسلین پر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے متبعین میں شامل کرے' وہ بڑا سخی اور نہایت کرم کرنے والا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ

اور ذکر کیجئے کتاب میں مریم کا، جب علیحدہ ہوئی وہ اپنے گھر والوں سے ایسے مکان میں جو مشرقی جانب تھا○ پھر بنا لیا مریم نے

مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾

ان کے آگے سے ایک پردہ' پس بھیجا ہم نے اس کی طرف اپنی روح کو، سو شکل اختیار کی اس نے مریم کے سامنے ایک آدمی کامل کی○

وقف لازم

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ

کہا مریم نے، بلاشبہ میں پناہ پکڑتی ہوں رحمٰن کے ساتھ، تجھ سے، اگر ہے تو ڈرنے والا○ اس نے کہا، یقیناً میں بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا،

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ

تاکہ عطا کروں تجھے (اللہ کے حکم سے) ایک لڑکا پاکیزہ○ مریم نے کہا، کیسے ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے، اور نہیں ہوں میں

بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

بدکار ○ فرشتے نے کہا، اسی طرح ہے (تو بچہ جنے گی) کہا ہے تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے، اور تاکہ بنائیں ہم اسے ایک نشانی لوگوں کے لیے

وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اور رحمت اپنی طرف سے اور ہے (یہ) معاملہ طے شدہ ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد...... کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی عجیب نشانیوں میں سے ہے...... ایک اور قصہ بیان فرمایا جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف تدریج ہے۔ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ﴾ ”اور ذکر کر کتاب میں“ یعنی قرآن کریم میں ﴿مَرْيَمَ﴾ مریم علیہا السلام کا۔ یہ مریم علیہا السلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے کہ کتاب عظیم میں ان کا نام مذکور ہے جس کی مشرق و مغرب کے تمام مسلمان تلاوت کرتے ہیں۔ اس کتاب عظیم میں بہترین پیرائے میں ان کا ذکر اور ان کی مدح وثنا بیان کی گئی ہے یہ ان کے اچھے اعمال اور کوشش کامل کی جزا ہے، یعنی کتاب عظیم میں، حضرت مریم علیہا السلام کے بہترین حال کا ذکر کیجیے۔ جب ﴿انْتَبَذَتْ﴾ ”وہ جدا ہوئی“ یعنی جب مریم علیہا السلام اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ﴿مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ مشرق جانب ایک مکان میں گوشہ نشیں ہو گئی تھیں۔ ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا﴾ ”پھر پکڑ لیا ان سے ورے ایک پردہ“ یعنی ایک پردہ ڈال لیا تھا جو لوگوں کی ملاقات سے مانع تھا۔

حضرت مریم علیہا السلام کا گوشہ نشیں ہونا، پردہ لٹکا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے الگ تھلگ ہو جانا، اخلاص، خشوع و خضوع اور اللہ تعالیٰ کے لئے تذلل کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت دراصل اس ارشاد الٰہی کی تعمیل ہے۔ ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ (آل عمران: ۳/۴۲-۴۳) ”جب فرشتوں نے (جناب مریم سے) کہا اے مریم! اللہ نے تجھے چن لیا، تجھے پاکیزگی عطا کی اور تجھے تمام جہانوں کی عورتوں پر ترجیح دے کر چن لیا۔ اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کر، اس کے حضور سجدہ ریز ہو اور جھکنے والوں کے ساتھ تو بھی جھک۔“

﴿فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا﴾ ”پس بھیجی ہم نے ان کی طرف اپنی روح“ یہاں روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ ”پس وہ ان کے سامنے پورا آدمی بن کر آیا“ یعنی ایک خوبصورت اور حسین و جمیل مرد کی شکل میں ظاہر ہوئے، جس میں کوئی عیب تھا نہ نقص، کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی متحمل نہ تھیں۔ جب مریم علیہا السلام نے جبریل علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا، جبکہ وہ اپنے گھر سے علیحدہ اور لوگوں سے الگ ہو کر گوشہ نشیں ہو گئی تھیں اور عزیز ترین لوگوں، یعنی اپنے گھر والوں سے بھی پردہ کر لیا تھا...... تو ڈر گئیں کہ وہ مرد ہے کہیں وہ ان کے بارے میں کوئی برا ارادہ نہ رکھتا ہو اور کہیں وہ ان کے ساتھ برائی سے پیش نہ

آئے تو انہوں نے اس سے اللہ کی پناہ مانگی اور اس سے کہنے لگیں: ﴿إِنِّىٓ أَعُوذُ بِٱلرَّحْمَٰنِ مِنكَ﴾ ”میں رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے“ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں اور اس کی رحمت کے سائے میں آتی ہوں کہ کہیں تو مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ ﴿إِن كُنتَ تَقِيًّا﴾ ”اگر تم متقی ہو۔“ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو اور اس کے تقویٰ کے مطابق عمل کرتے ہو تو مجھ سے کوئی تعرض نہ کرو۔

حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی اور ساتھ ساتھ اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرایا اور اسے التزام تقویٰ کا حکم دیا جبکہ وہ تنہائی کی حالت میں تھیں، جوان تھیں اور لوگوں سے الگ تھلگ تھیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام بھی بشریت کے کامل روپ اور حیران کن حسن و جمال میں ظاہر ہوئے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کوئی تعرض کیا نہ کوئی ان سے بری بات کہی...... یہ تو حضرت مریم علیہا السلام کا خوف تھا اور یہ عفت کے بلند ترین درجے، شر اور اس کے اسباب سے بُعد کی دلیل ہے۔ یہ عفت...... خاص طور پر جبکہ تمام اسباب جمع ہوں اور گناہ سے کوئی مانع بھی موجود نہ ہو...... بہترین عمل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی ستائش کی۔ فرمایا: ﴿وَمَرْيَمَ ٱبْنَتَ عِمْرَٰنَ ٱلَّتِىٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا﴾ (التحریم: ١٢/٦٦) ”اور مریم بنت عمران، جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی، ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔“ اور فرمایا: ﴿وَٱلَّتِىٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَٰهَا وَٱبْنَهَآ ءَايَةً لِّلْعَٰلَمِينَ﴾ (الانبیاء: ٩١/٢١) ”اور وہ (مریم علیہا السلام) جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی، ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی، پھر اسے اور اس کے بیٹے کو تمام جہانوں کے لئے نشانی بنا دیا۔“

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی عفت کے عوض انہیں ایک بیٹا عطا کیا جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کے رسولوں میں سے ایک رسول تھا۔ جب جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی گھبراہٹ اور ان کا خوف دیکھا تو انہوں نے کہا: ﴿إِنَّمَآ أَنَا۠ رَسُولُ رَبِّكِ﴾ ”میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں“ یعنی میرا کام اور میرا شغل تو آپ کے بارے میں اپنے رب کے حکم کو نافذ کرنا ہے۔ ﴿لِأَهَبَ لَكِ غُلَٰمًا زَكِيًّا﴾ ”تاکہ دے جاؤں میں آپ کو ایک لڑکا ستھرا“ یہ بیٹے اور اس کی پاکیزگی کی بہت بڑی بشارت ہے کیونکہ پاکیزگی، تمام خصائل مذمومہ سے تطہیر اور اوصاف حمیدہ سے متصف ہونے کو مستلزم ہے۔ پس حضرت مریم علیہا السلام باپ کے بغیر بیٹے کے وجود پر بہت متعجب ہوئیں اور کہنے لگیں: ﴿أَنَّىٰ يَكُونُ لِى غُلَٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِى بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾ ”کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا اور نہیں چھوا مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار بھی نہیں ہوں“ اور بیٹے کا وجود اس کے بغیر ممکن نہیں۔

﴿قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُۥٓ ءَايَةً لِّلنَّاسِ﴾ ”جبریل نے کہا: یوں ہی ہے، آپ کے رب نے کہا، یہ مجھ پر آسان ہے، اور چاہتے ہیں ہم کہ بنائیں اس کو لوگوں کے لیے نشانی“ کہ وہ نشانی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرے، نیز اس امر پر بھی کہ اسباب کی کوئی مستقل تاثیر نہیں، ان میں تاثیر صرف اللہ تعالیٰ کی

تقدیر سے ہے۔ پس وہ اپنے بندوں کو بعض اسباب کے خلاف خارق عادت واقعات کا مشاہدہ کراتا ہے تاکہ وہ اسباب پر نہ ٹھہر جائیں اور مسبب الاسباب اور ان کو مقدر کرنے والی ہستی کے افعال میں غور و فکر ترک نہ کریں۔ ﴿وَرَحۡمَةً مِّنَّا﴾ ''اور اپنی طرف سے رحمت'' تاکہ ہم اس کو خود اس کے لئے، اس کی والدہ کے لئے اور تمام لوگوں کے لئے رحمت بنائیں۔

ان کا خود اپنے لئے رحمت ہونا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وحی کے لئے مختص کیا اور آپ کو اپنی عنایات سے نوازا جس طرح اس نے اولوالعزم انبیاء و مرسلین کو نوازا۔ آپ کی والدہ کے لئے آپ کا رحمت ہونا یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے آپ کی والدہ کو فخر، ثنائے حسن اور بڑے بڑے اخروی فوائد حاصل ہوئے۔ لوگوں کے لئے آپ کا رحمت ہونا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے ان کے اندر اپنا رسول مبعوث کیا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ﴿وَكَانَ أَمۡرًا مَّقۡضِيًّا﴾ ''اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس حالت میں وجود میں آنا، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے اور اس کی تقدیر کا نافذ ہونا ایک لابدی امر تھا۔ پس جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری۔

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ

پس حاملہ ہوگئی وہ ساتھ اسکے، پھر الگ ہوگئی وہ ساتھ اسکے ایک مکان دور والے میں ○ پس لے آیا اس (مریم) کو درد زہ طرف تنے کی کھجور کے،

قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰٮهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ

تو اس نے کہا، اے کاش! میں مرجاتی پہلے اس سے اور ہو جاتی بھولی بسری ○ پس آواز دی فرشتے نے اسے، اسکے نیچے سے،

اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ

یہ کہ نہ غم کھا تو، تحقیق (جاری) کردیا ہے تیرے رب نے تیرے نیچے سے، ایک چشمہ ○ اور تو ہلا اپنی طرف تنے کو کھجور کے، وہ گرائے گا

عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ وَقَرِّىۡ عَيۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ

تجھ پر کھجور (عمدہ) تازہ پکی ہوئی ○ سو تو کھا اور پی اور ٹھنڈی کر آنکھیں (اپنی)، پس اگر دیکھے تو آدمیوں میں سے کسی کو

فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ۚ ﴿۲۶﴾

تو کہہ دینا، بے شک میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لیے روزے کی، پس ہرگز نہیں کلام کروں گی میں آج کسی انسان سے (بھی) ○

جب حضرت مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا تو وہ فضیحت اور رسوائی کے خوف سے لوگوں سے دور چلی گئیں ﴿مَكَانًا قَصِيًّا﴾ ''دور جگہ'' جب بچہ جننے کا وقت قریب آیا تو زچگی کی تکلیف نے ان کو کھجور کے نیچے پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

جب حضرت مریم علیہا السلام کو زچگی کی تکلیف برداشت کرنا پڑی‘ کھانے پینے کی عدم موجودگی کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا اور سب سے بڑی بات یہ کہ لوگوں کی تکلیف دہ باتوں اور طعنوں سے دلی صدمہ پہنچا اور انہیں خوف ہوا کہ کہیں صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے...... تو انہوں نے تمنا کی کہ کاش وہ اس حادثہ سے پہلے ہی مر گئی ہوتیں‘ ان کو بھلا دیا جاتا اور ان کا کہیں تذکرہ تک نہ ہوتا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی یہ تمنا ان کی گھبراہٹ کی بنا پر تھی اور اس آرزو اور تمنا میں ان کے لئے کوئی بھلائی تھی نہ مصلحت۔ بھلائی اور مصلحت تو صرف تقدیر کے مطابق اس چیز میں تھی جو انہیں حاصل ہوئی۔ اس وقت فرشتے نے ان کے دل کو تسلی دی اور اسے ثبات عطا کیا اور فرشتے نے ان کو نیچے سے پکارا۔ شاید یہ جگہ‘ جہاں سے فرشتے نے پکارا تھا‘ حضرت مریم علیہا السلام کی جگہ سے زیادہ نیچے تھی۔ فرشتے نے کہا: مت گھبرا اور نہ غم کر ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا﴾ ”تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔“ یعنی تیرے نیچے نہر جاری کر دی ہے جس سے تو پانی پیے گی۔

﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ ”اور ہلا اپنی طرف کھجور کا تنا‘ اس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں“ یعنی تازہ لذیذ اور فائدہ بخش کھجوریں۔ ﴿فَكُلِيْ﴾ یعنی کھجوریں کھا ﴿وَاشْرَبِيْ﴾ ”(اور اس نہر کا) پانی پی۔“ ﴿وَقَرِّيْ عَيْنًا﴾ ”(اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر“۔ یہ زچگی کی تکلیف سے سلامتی اور لذیذ وخوشگوار ماکول ومشروب کی فراہمی کے پہلو سے‘ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے اطمینان تھا۔ رہی لوگوں کی باتیں اور ان کے طعنے‘ تو فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا کہ وہ جب کسی آدمی کو دیکھیں تو اشارے سے اسے بتائیں: ﴿اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ ”میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لیے روزے کی“ یعنی خاموش رہنے کی۔ ﴿فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا﴾ ”پس میں آج بات نہیں کروں گی کسی آدمی سے“ یعنی ان سے بات چیت نہ کرنا‘ تاکہ تم ان کی باتوں سے بچ سکو۔ ان کے ہاں معروف تھا کہ خاموشی ایک عبادت مشروعہ ہے۔

ان کو اپنی طرف سے اس معاملے کی نفی کے سلسلے میں لوگوں سے گفتگو نہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ لوگ اس کو تسلیم نہیں کریں گے اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے‘ نیز یہ کہ ان کی براءت کا اظہار پنگوڑے کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے ہونا ان کی براءت کی سب سے بڑی شہادت بن جائے کیونکہ عورت کا شوہر کے بغیر کسی بچے کو جنم دینا اور پھر اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ بچہ کسی مرد کے چھوئے بغیر ہے‘ سب سے بڑا دعویٰ ہے۔ اگر اس دعویٰ کی تائید میں متعدد گواہ بھی موجود ہوں تب بھی اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا‘ اس لئے اس خارق عادت واقعہ کی تائید کے لئے‘ اسی جیسا ایک اور خارق عادت واقعہ پیش آیا اور وہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی انتہائی چھوٹی عمر میں کلام کرنا‘ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ

پس لے آئی مریم اس (بچے) کو اپنی قوم کے پاس اسے اٹھائے ہوئے، انہوں نے کہا اے مریم! تحقیق کیا ہے تو نے کام بہت برا ○ اے بہن ہارون کی!

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ۖۚ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ

نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار ○ پس مریم نے اشارہ کیا اس (بچے) کی طرف، انہوں نے کہا' کیسے

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ

کلام کریں ہم اس سے جو ہے گود میں بچہ؟ ○ بچے نے کہا، بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے دی ہے مجھے کتاب اور اس نے بنایا ہے مجھے

نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ۙ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ

نبی ○ اور اس نے بنایا ہے مجھے بابرکت جہاں کہیں بھی میں ہوں، اور اس نے وصیت کی ہے مجھے نماز اور زکوۃ کی، جب تک میں رہوں

حَيًّا ﴿٣١﴾ۖۚ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِىْ ؗ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ

زندہ ○ اور (بنایا مجھے) نیکی کرنے والا ساتھ اپنی والدہ کے اور نہیں بنایا اس نے مجھے سرکش، بدبخت ○ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا

وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں اٹھایا جاؤں گا زندہ کر کے ○

یعنی جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے نفاس سے پاک ہوئیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنی قوم میں تشریف لائیں' چونکہ انہیں اپنی براءت اور اپنی طہارت نفس کا علم تھا اس لئے انہوں نے کسی کی پروا نہ کی۔ لوگوں نے باتیں بناتے ہوئے کہا: ﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا﴾ "تو نے بڑا عجیب کام کیا" یعنی بہت نازیبا کام' اس سے ان کی مراد زنا تھا...... حالانکہ وہ اس سے پاک تھیں۔

﴿يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ﴾ "اے ہارون کی بہن۔" اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا کوئی حقیقی بھائی تھا جس کی طرف ان کو منسوب کیا گیا۔ وہ انبیاء کے نام پر نام رکھا کرتے تھے۔ یہ ہارون' موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون بن عمران علیہ السلام نہیں ہیں کیوں کہ ان دونوں کی درمیان بہت صدیوں کا فاصلہ ہے۔ ﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ "تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بدکار" یعنی تمہارے والدین بہت نیک اور برائی سے بچے ہوئے تھے خاص طور پر اس برائی سے' جس کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے' محفوظ تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تو نے کیونکر اس فعل بد کا ارتکاب کیا جس سے تمہارے والدین محفوظ تھے اور یہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ غالب حالات میں' نیکی اور بدی کے معاملے میں' اولاد اپنے والدین سے اثر پذیر ہوتی ہے' چنانچہ لوگوں کو' ان کے دلوں میں جو بات راسخ تھی' اس کی وجہ سے تعجب ہوا کہ حضرت مریم علیہا السلام سے اس فعل بد کا کیسے ارتکاب ہو گیا؟ پس حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو اور انہوں نے اس لیے اس طرف

اشارہ کیا کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ جب لوگ ان سے مخاطب ہوں تو تم کہہ دینا: ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا﴾ ''میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔'' جب انہوں نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے کلام کریں تو لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور انہوں نے کہا: ﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ''ہم کیوں کر کلام کریں اس سے کہ ہے وہ گود میں بچہ'' کیونکہ یہ عام طور پر عادت جاریہ نہیں اور نہ کسی نے اس عمر میں کلام کیا ہے۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام' پنگوڑے میں سے بولے: ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ ''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں'' آپ علیہ السلام نے ان کو اپنے وصف عبودیت سے آگاہ فرمایا اور ان پر واضح کیا کہ وہ کسی ایسی صفت کے حامل نہیں جو انہیں الوہیت یا اللہ کا بیٹا ہونے کا مستحق بنا دے۔ اللہ تعالیٰ ان عیسائیوں کے قول سے بالا و برتر ہے۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قول: ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔'' کی صریحاً مخالفت کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کی موافقت کرتے ہیں۔ ﴿آتَانِيَ الْكِتَابَ﴾ ''دی اس نے مجھے کتاب'' یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھے کتاب عطا کرے گا ﴿وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ ''اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آگاہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب کی تعلیم دی اور انہیں جملہ انبیاء میں شامل کیا اور یہ ان کا کمالِ نفس ہے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے دوسروں کی تکمیل کا ذکر فرمایا: ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ﴾ ''اور بنایا مجھ کو برکت والا' جس جگہ بھی میں ہوں'' یعنی ہر جگہ اور ہر زمانے میں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلائی کی تعلیم' بھلائی کی طرف دعوت' شر سے ممانعت' اپنے اقوال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی دعوت کی توفیق عطا فرما کر بابرکت بنایا ہے' لہٰذا جو کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت اختیار کرتا تھا وہ آپ کی برکت اور سعادت سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ ﴿وَأَوْصَانِي بِالصَّلَوٰةِ وَالزَّكَوٰةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ ''اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی' جب تک ہوں میں زندہ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے حقوق ادا کرنے کی وصیت کی ہے' جن میں سب سے بڑا حق نماز ہے اور بندوں کے حقوق پورا کرنے کی وصیت کی ہے جن میں سب سے زیادہ جلیل القدر حق زکوٰۃ ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں زندگی بھر یہ کام کرتا رہوں۔ پس میں اپنے رب کا حکم مانتا' اس کی وصیت پر عمل کرتا اور اس کو نافذ کرتا رہوں گا' نیز اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وصیت بھی کی ہے کہ میں اپنی ماں کی اطاعت کروں' اس کے ساتھ خوب احسان کروں اور اس کے حقوق پورے کروں' کیونکہ اسے شرف اور فضیلت حاصل ہے' نیز وہ ماں ہے اس لئے وہ جنم دینے کی بنا پر مجھ پر ولادت کا حق اور اس کے تابع دیگر حقوق رکھتی ہے۔

﴿وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا﴾ ''اور نہیں بنایا اس نے مجھے سرکش'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کے حضور تکبر کرنے والا اور بندوں سے اپنے آپ کو بڑا اور بلند سمجھنے والا نہیں ہوں۔ ﴿شَقِيًّا﴾ یعنی میں دنیا و آخرت میں بد بخت نہیں ہوں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا اطاعت شعار، اپنے سامنے جھکنے والا، عاجزی اور تذلل اختیار کرنے والا، اللہ کے بندوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آنے والا اور دنیا و آخرت میں سعادت سے بہرہ مند ہونے والا بنایا۔ مجھے بھی اور میرے پیروکاروں کو بھی۔ پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمال اور ان کے قابل ستائش خصائل کی تکمیل ہو گئی تو انہوں نے فرمایا: ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا﴾ ”اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر“ یعنی میرے رب کے فضل و کرم سے جس روز میری ولادت ہوئی، جس روز میں مروں اور جس روز مجھے اٹھایا جائے گا، مجھے ہر قسم کے شر، شیطان اور عذاب سے سلامتی حاصل ہے۔ یہ سلامتی ہر قسم کے خوف، فاجروں کے گھر سے سلامتی اور دارالسلام کے مستحق ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ پس یہ ایک عظیم معجزہ اور اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ درحقیقت اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔

ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ

یہ ہے عیسیٰ بن مریم، بات حق کی، وہ جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں ○ نہیں ہے لائق واسطے اللہ کے، یہ کہ بنائے وہ

مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ ؕ

کوئی اولاد، پاک ہے وہ، جب فیصلہ کرتا ہے وہ کسی کام کا تو صرف یہی کہتا ہے اس کے لیے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے ○

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾

اور بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب، سو تم اسی کی عبادت کرو، یہی ہے راہ سیدھی ○

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان صفات سے متصف ہیں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں بلکہ یہ قول حق اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس سے زیادہ سچی اور اچھی کسی اور کی بات نہیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت دی ہوئی خبر، علم یقینی ہے اور اس کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے وہ قطعی طور پر باطل ہے۔ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قائل کا محض شک ہے جو علم سے بے بہرہ ہے، اس لئے ارشاد فرمایا: ﴿الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ﴾ ”جس میں لوگ جھگڑتے ہیں“ یعنی شک کرتے ہیں اور شک کی بنیاد پر جھگڑتے اور اندازوں کی بنیاد پر بحث کرتے ہیں...... ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں، یا اللہ کے بیٹے ہیں یا تین میں سے ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی افتراء پردازی سے بہت بلند اور بالاتر ہے۔

﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ﴾ ”نہیں لائق اللہ کے کہ پکڑے وہ اولاد“ یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں، کیونکہ یہ ایک امر محال ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل ستائش ہے وہ تمام مملکتوں کا مالک ہے۔ پس وہ اپنے بندوں اور غلاموں کو کیسے اولاد بنا سکتا ہے؟ ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر نقص اور بیٹے کی حاجت سے

پاک اور مقدس ہے۔ ﴿إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا﴾ یعنی جب بھی اللہ تعالیٰ چھوٹے یا بڑے معاملے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ معاملہ اس کے لئے مشکل اور ممتنع نہیں ہوتا۔ ﴿فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ﴾ ''تو وہ صرف یہی کہتا ہے کہ ہو جا' پس وہ ہو جاتا ہے'' جب اس کی قدرت اور مشیت تمام عالم علوی اور سفلی پر نافذ ہے تو اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ اور جب وہ کسی چیز کے وجود کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے (کُنْ) ''ہو جا'' (فَیَکُوْنُ) ''تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔'' تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے وجود میں لانا کون سا مشکل کام ہے؟ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں آگاہ فرمایا کہ وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جس طرح دوسری مخلوق ہے۔ فرمایا: ﴿وَإِنَّ ٱللَّهَ رَبِّى وَرَبُّكُمْ﴾ ''بے شک اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا'' جس نے ہمیں پیدا کیا' ہماری صورت گری کی' ہم میں اس کی تدبیر نافذ ہوئی اور ہم میں اس کی تقدیر نے تصرف کیا۔ ﴿فَٱعْبُدُوهُ﴾ ''پس تم اسی کی عبادت کرو'' یعنی عبادت کو صرف اسی کے لئے خالص کرو اور اس کی طرف انابت اور رجوع میں جدوجہد کرو۔ اس میں توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا اقرار اور توحید ربوبیت کے ذریعے سے توحید الوہیت پر استدلال ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾ ''یہ ہے راستہ سیدھا'' یعنی یہی اعتدال کا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے کیونکہ یہ انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین کا راستہ ہے اس کے سوا ہر راستہ گمراہی کا راستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾

پھر اختلاف کیا (ان) گروہوں نے آپس میں پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا حاضری سے، بڑے دن (قیامت) کی ○

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾

کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے وہ لوگ، جس دن وہ آئیں گے ہمارے پاس! لیکن (وہ) ظالم لوگ آج کے دن صریح گمراہی میں ہیں ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا حال بیان فرما دیا جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں تو آگاہ فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر فرقے اور گروہ جو گمراہی کے راستے پر گامزن ہیں' اپنے اپنے طبقات کے اختلاف کے مطابق' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک گروہ افراط اور غلو میں مبتلا ہے تو دوسرا ان کی شان میں تنقیص اور تفریط کرنے والا ہے۔ پس ان میں سے کچھ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں۔ بعض ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں' بعض کہتے ہیں وہ تین میں سے ایک ہیں' بعض ان کو رسول بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ بہتان طرازی کرتے ہیں کہ وہ (معاذ اللہ) ولد الزنا ہیں...... مثلاً: یہودی وغیرہ۔

ان تمام گروہوں کے اقوال باطل اور ان کی آراء فاسد ہیں جو شک وعناد' بے بنیاد شبہات اور انتہائی بودے دلائل پر مبنی ہیں۔ اس قبیل کے تمام لوگ انتہائی سخت وعید کے مستحق ہیں' اسی لئے فرمایا: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ''پس ہلاکت ہے کافروں کے لیے'' جو اللہ' اس کے رسول اور اس کی کتابوں کا انکار کرتے ہیں' ان میں یہود اور

نصاریٰ دونوں شامل ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کفریہ کلمات کہتے ہیں: ﴿مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ ''بڑے دن کی حاضری سے'' یعنی قیامت کے روز جب اولین و آخرین سب حاضر ہوں گے' زمین اور آسمانوں کے تمام رہنے والے' خالق اور مخلوق موجود ہوں گے اس وقت بے شمار زلزلے ہوں گے اور اعمال کی جزا پر مشتمل ہولناک عذاب ہوں گے تب ان کا وہ سب کچھ ظاہر ہو جائے گا جو کچھ وہ چھپاتے یا ظاہر کیا کرتے تھے۔ ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا﴾ ''کیا خوب وہ سننے والے اور دیکھنے والے ہوں گے جس دن آئیں گے وہ ہمارے پاس'' اس روز وہ خوب سنیں گے اور خوب دیکھیں گے۔ پس وہ اپنے کفر و شرک پر مبنی اقوال و نظریات کا اقرار کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ (السجدۃ: ١٢/٣٢) ''اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ پس ہمیں دنیا میں واپس بھیج تاکہ ہم نیک عمل کریں اب ہمیں یقین آ گیا۔'' پس قیامت کے روز اس حقیقت کا یقین آ جائے گا جس میں وہ مبتلا ہوں گے۔

﴿لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''لیکن ظالم لوگ آج صریح گمراہی میں ہیں۔'' اس گمراہی کا ان کے پاس کوئی عذر نہ ہو گا کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ' بصیرت کے ساتھ حق کو پہچان کر عناد کی بنا پر روگردانی کرتے ہوئے گمراہ ہوئے ہیں اور کچھ لوگ حق و صواب کو پہچاننے کی قدرت رکھنے کے باوجود' راہ حق سے بھٹک گئے اور اپنی گمراہی اور بداعمالیوں پر راضی ہیں اور باطل میں سے حق کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ غور کیجیے اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ﴾ کہنے کے بعد کیسے فرمایا: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور (فَوَيْلٌ لَّهُمْ) نہیں فرمایا کیونکہ اس صورت میں ضمیر کا مرجع ''الاحزاب'' ہوتا اور ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کرنے والے گروہوں میں سے ایک گروہ حق و صواب پر تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتا تھا: ''وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔'' پس وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی۔ یہ لوگ مومن ہیں اور اس وعید میں داخل نہیں ہیں' اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف کفار کو اس وعید کے ساتھ مختص فرمایا ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾ وقف لازم

اور آپ ڈرائیں انہیں روز حسرت سے، جب فیصلہ کیا جائے گا (ہر) معاملے کا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ نہیں ایمان لاتے ○

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾ ع ۵

بلاشبہ ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور ان کے جو اس پر (رہنے والے) ہیں، اور ہماری ہی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ○

کسی خوفناک معاملے میں' ترہیب کے پہلو سے اس کی صفات بیان کر کے آگاہ کرنا ''انذار'' ہے۔ اور وہ معاملہ جس کے بارے میں بندوں کو سب سے زیادہ ڈرایا جانا چاہیے وہ ''حسرت کا دن'' ہے جب فیصلہ کیا جائے گا۔ پس اولین و آخرین ایک ہی جگہ اکٹھے کیے جائیں گے اور ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس

جو کوئی اللہ پر ایمان لایا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرتا رہا تو وہ ابدی سعادت سے بہرہ مند ہوگا اس کے بعد کبھی اسے بدبختی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لایا اور اس کے رسولوں کی پیروی نہ کی تو وہ بدبختی میں پڑے گا اور اس کے بعد نیک بختی اس کے حصے میں نہیں آئے گی اور اس نے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈال دیا۔ پس اس وقت حسرت اور ندامت سے دل پارہ پارہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم کے استحقاق سے بڑھ کر کون سی حسرت ہو سکتی ہے' جہاں دوبارہ عمل کرنے کے لئے واپسی ممکن نہ ہو اور دنیا میں دوبارہ آ کر اپنے احوال کے بدلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔

یہ سب کچھ انہیں پیش آئے گا مگر ان کی حالت یہ ہے کہ وہ دنیا میں اس عظیم معاملے کے بارے میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں' اس کے بارے میں انہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا اور اگر انہیں کبھی خیال آیا بھی ہے تو وہ بھی غفلت میں۔ غفلت نے ان کو گھیر رکھا ہے اور مدہوشی ان پر غالب ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں نہ اس کے رسولوں کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کی دنیا نے ان کو غافل کر دیا' ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان ختم ہو جانے والی فانی شہوات حائل ہو گئیں۔

یہ دنیا اور اول سے لے کر آخر تک دنیا کی تمام چیزیں دنیا داروں کو چھوڑ جائیں گی اور وہ دنیا کو چھوڑ کر چل دیں گے اور زمین اور اس میں موجود تمام چیزوں کا وارث اللہ تعالیٰ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف لوٹائے گا اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ وہ ان اعمال میں خسارہ اٹھائیں گے یا نفع میں رہیں گے' لہٰذا جو کوئی نیک کام کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کرنی چاہیے اور جس کے اعمال اس سے مختلف ہیں اسے اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ

اور ذکر کیجئے کتاب میں ابراہیم کا، بے شک وہ تھا نہایت سچا، نبی ○ جب اس نے کہا اپنے باپ سے، اے میرے باپ! کیوں

تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡـًٔـا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡ قَدۡ جَآءَنِىۡ

عبادت کرتا ہے تو اسکی جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ وہ کام آئے تیرے کچھ بھی ○ اے میرے باپ! بے شک میں، تحقیق آیا ہے میرے پاس

مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِىۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ

وہ علم جو نہیں آیا تیرے پاس، پس تو پیروی کر میری، میں بتلاؤں گا تجھے راہ سیدھی ○ اے میرے باپ! مت عبادت کر تو شیطان کی،

اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ

بلاشبہ شیطان ہے رحمٰن کا بہت نافرمان ○ اے میرے باپ! بے شک میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ پہنچے تجھے عذاب

مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ لِلشَّيۡطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۚ

رحمٰن کی طرف سے پس ہو جائے تو شیطان کا دوست ○ اس (آزر) نے کہا، کیا بے رغبتی کرتا ہے تو میرے معبودوں سے، اے ابراہیم؟

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (٤٦) قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ

البتہ اگر نہ باز آیا تو اس سے، تو البتہ ضرور سنگسار کردوں گا میں تجھے، اور چھوڑ جا مجھے لمبا عرصہ ○ ابراہیم نے کہا، سلام ہو تجھ پر

سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (٤٧) وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ

ضرور بخشش مانگوں گا تیرے لیے اپنے رب سے، بلاشبہ وہ ہے مجھ پر نہایت مہربان ○ اور میں کنارہ کش ہوتا ہوں تم سے اور ان سے جنھیں تم پکارتے ہو،

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا (٤٨) فَلَمَّا

سوائے اللہ کے، اور میں پکارتا ہوں اپنے رب کو، امید ہے کہ نہیں ہوں گا میں پکار کر اپنے رب کو محروم ○ پس جب

اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا

وہ کنارہ کش ہو گیا ان سے اور ان سے بھی جنکی وہ عبادت کرتے تھے سوائے اللہ کے، تو عطا کیے ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب اور ہر ایک کو

جَعَلْنَا نَبِيًّا (٤٩) وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (٥٠) ع

بنایا ہم نے نبی ○ اور نوازا ہم نے انھیں اپنی رحمت سے اور کر دیا ہم نے انکے لیے سچائی کی زبان (ان کے ذکر خیر) کو بلند ○

ع

تمام کتابوں میں سب سے زیادہ جلیل القدر، سب سے افضل اور سب سے زیادہ بلند مرتبے والی کتاب، یہ کتاب مبین اور ذکر حکیم یعنی قرآن مجید ہے۔ اگر اس میں خبریں بیان کی گئی ہیں تو یہ خبریں سب سے زیادہ سچی، سب سے زیادہ حق اور سب سے زیادہ نفع مند ہیں۔ اگر اس میں اوامر و نواہی کا تذکرہ ہے تو یہ اوامر و نواہی سب سے زیادہ قدر و قیمت کے حامل اور سب سے زیادہ عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اگر اس میں سزا و جزا اور وعدے وعید کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ سب سے زیادہ سچی خبر اور سب سے زیادہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے عدل و فضل پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے اور اگر اس میں انبیاء و مرسلین کا ذکر ہے تو اس میں مذکور یہ مقدس ہستیاں دیگر تمام لوگوں سے کامل اور افضل ہیں۔ بناء بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان انبیائے کرام کے واقعات بیان کیے ہیں اور ان کا بار بار اعادہ کیا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں پر فضیلت عطا کی اور انھیں قدر و منزلت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کی محبت، اس کی طرف انابت، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور اس راستے میں اذیتوں پر صبر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند درجات عطا کیے اور انھیں مقامات فاخرہ اور منازل عالیہ سے نوازا۔

پس اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کا ذکر فرمایا اور اپنے رسول (ﷺ) کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کا ذکر کریں کیونکہ ان کے تذکرے میں اللہ تعالیٰ کی بھی تعریف ہے اور ان کی مدح ستائش کا اظہار اور ان پر اس کے فضل و کرم کا بیان بھی ہے، نیز اس میں ان پر ایمان لانے، ان کے ساتھ محبت کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی ترغیب ہے۔ فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ ’’اور یاد کرو کتاب میں ابراہیم کو‘

بے شک وہ سچے نبی تھے۔" اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیک وقت صدیقیت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ صِدیق، بہت راست باز شخص کو کہا جاتا ہے۔ پس وہ اپنے اقوال، افعال اور احوال میں سچا ہونے کے ساتھ ساتھ ہر اس چیز کی بھی تصدیق کرتا ہے جس کی تصدیق کا اس کو حکم دیا جاتا ہے اور یہ خوبی مستلزم ہے اس عظیم علم کو جو دل کی گہرائیوں تک پہنچتا اور اس پر اثر انداز ہوتا ہے، نیز یقین اور کامل عمل صالح کا موجب ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت محمد ﷺ کے بعد تمام انبیاء ومرسلین میں افضل ہیں۔ وہ تمام اصحاب فضیلت گروہوں کے تیسرے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذریت کو نبوت اور کتاب سے نوازا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی پھر اس راستے میں پیش آنے والی اذیتوں اور بڑی بڑی تعذیب پر صبر کیا۔ انہوں نے قریب اور بعید، سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور اپنے باپ کو، جیسے بھی ممکن ہوا، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کی بھرپور جدوجہد کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بحث وتکرار کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے باپ سے کی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ﴾ "جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے" یعنی بتوں کی عبادت کی قباحت بیان کرتے ہوئے اپنے باپ سے کہا: ﴿يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾ یعنی آپ ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو اپنی ذات اور افعال میں ناقص ہیں، جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، جو اپنے عبادت گزار کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، بلکہ وہ خود اپنے آپ کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ اپنی ذات سے کوئی چیز دور ہٹانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ پس یہ اس حقیقت پر ایک روشن دلیل ہے کہ ایسی ہستی کی عبادت کرنا، جو اپنی ذات اور اپنے افعال میں ناقص ہے، عقل اور شرع کے اعتبار سے قبیح ہے۔ اس کی تنبیہ اور اس کا اشارہ دلالت کرتا ہے کہ عبادت صرف اسی ہستی کی واجب اور مستحسن ہے جو کمال کی مالک ہے، جس کے سوا بندے کہیں سے نعمتیں حاصل نہیں کر سکتے، جس کے سوا کوئی اور ہستی ان سے کوئی تکلیف دور نہیں کر سکتی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔

﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ﴾ یعنی ابا جان! مجھے حقیر نہ جانیں اور یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کا بیٹا ہوں اور یہ کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے وہ میرے پاس نہیں بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم عطا کیا ہے جو آپ کو عطا نہیں کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مقصد یہ کہنا تھا کہ: ﴿فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ "آپ میری پیروی کریں میں دکھلاؤں گا آپ کو سیدھا راستہ" یعنی سیدھا اور معتدل راستہ اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تمام احوال میں اس کی اطاعت کرنا۔ اس خطاب میں جو لطف وکرم اور جو نرمی ہے وہ مخفی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ "ابا جان میں عالم ہوں اور آپ جاہل ہیں" یا "آپ کے پاس کوئی علم نہیں" آپ علیہ السلام نے اس پیرائے میں گفتگو فرمائی "میرے پاس اور آپ کے پاس علم ہے مگر جو علم مجھ

تک پہنچا ہے وہ آپ تک نہیں پہنچا' اس لئے آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ دلیل کی پیروی کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔"

﴿يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ﴾ "ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کریں" کیونکہ جس نے غیر اللہ کی عبادت کی اس نے شیطان کی عبادت کی جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (یٰس: ٦٠/٣٦) "اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴾ "بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے" پس جو کوئی شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرتا ہے وہ شیطان کا دوست' اور شیطان کی مانند اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ یہاں نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (رحمن) کی طرف مضاف کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نافرمانیاں بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں اور اس پر رحمت کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت' رحمت الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا سبب ہے' اس لئے فرمایا: ﴿يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ﴾ "ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو کہیں رحمٰن کی طرف سے عذاب نہ آ لے" یعنی کفر پر آپ کے اصرار اور سرکشی میں آپ کے بڑھتے چلے جانے کے سبب سے۔ ﴿فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا﴾ "پس آپ شیطان کے دوست ہو جائیں" یعنی دنیا و آخرت میں۔ پس آپ اس کے مذموم مقام و منزلت پر اتار دیئے جائیں اور شیطان کی ضرر رساں اور گندی چراگاہ میں چریں۔

اور یوں حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنے باپ کو آسان سے آسان تر امر کی طرف دعوت دی۔ آپ نے اسے اپنے علم کے ذریعے سے بتایا کہ یہ چیز آپ پر میری اطاعت کی موجب ہے اگر آپ میری اطاعت کریں گے تو میں سیدھے راستے کی طرف آپ کی راہنمائی کروں گا' پھر آپ نے اسے شیطان کی عبادت سے منع فرمایا اور اسے ان مضرتوں کے بارے میں خبردار کیا جو شیطان کی عبادت میں پنہاں ہیں' پھر اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضی سے ڈرایا کہ اگر وہ اپنے اسی حال پر قائم رہا تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضی کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ شیطان کا دوست شمار ہوگا۔

مگر یہ دعوت اس بدبخت کے کسی کام نہ آئی۔ اس نے ایک جاہل کی مانند جواب دیا: ﴿اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ﴾ "اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے اعراض کرتا ہے؟" اس نے اپنے معبودوں پر فخر کا اظہار کیا جو پتھر کے بنے ہوئے بت تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان معبودوں سے روگردانی کرنے پر ملامت کرنے لگا' یہ اس کی بہت بڑی جہالت اور بہت بڑا کفر تھا' وہ بتوں کی عبادت پر مدح چاہتا تھا اور اس عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ﴾ یعنی اگر تو میرے معبودوں کو سب و شتم کرنے اور مجھے اللہ کی عبادت کی طرف

دعوت دینے سے باز نہ آیا ﴿لَاَرۡجُمَنَّكَ﴾ یعنی میں تجھے پتھر مار مار کر قتل کر دوں گا ﴿وَاهۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا﴾ ’’اور چھوڑ دے مجھ کو ایک مدت تک‘‘ یعنی طویل زمانے تک میرے ساتھ بات نہ کر۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنے باپ کو اس طرح جواب دیا جس طرح رحمٰن کے بندے جہلاء کو جواب دیتے ہیں۔ آپ اس سے سب وشتم سے پیش نہیں آئے بلکہ صبر سے کام لیا اور کوئی ایسی بات نہیں کہی جو باپ کو ناگوار گزرتی۔ فرمایا: ﴿سَلٰمٌ عَلَیۡكَ﴾ ’’سلام آپ پر‘‘ یعنی آپ میرے خطاب میں سب وشتم اور ناگوار باتوں سے محفوظ رہیں گے۔ ﴿سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّیۡ﴾ یعنی میں آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا کہ وہ آپ کی اسلام کی طرف راہنمائی کرے جس کے ذریعے سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِیۡ حَفِیًّا﴾ کیونکہ وہ میرے حال پر بہت رحیم اور مہربان ہے اور مجھے اپنے سایۂ اعتناء میں رکھتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے دے گا‘ اپنے باپ کے لئے استغفار کرتے رہے‘ پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کے لئے استغفار کرنا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا چھوڑ دی اور اس سے براءت کا اظہار کر دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا ہے اور ان کی ملت کی پیروی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں ہم آپ کی راہ پر گامزن ہوں اور علم وحکمت اور نرم رویہ اپنائیں۔ دعوت الی اللہ میں تدریج اور ترتیب کا طریقہ اختیار کریں‘ اس پر صبر کریں اور اس سے ہرگز نہ اکتائیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کو‘ لوگوں کی طرف سے‘ جن قولی اور فعلی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر صبر کرے اور عفو درگزر‘ قولی اور فعلی حسن سلوک کے ساتھ ان اذیتوں کا مقابلہ کرے۔

جب ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم اور اپنے باپ کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے‘ تو کہنے لگے: ﴿وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ یعنی میں تم سے اور تمہارے بتوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں ﴿وَاَدۡعُوۡا رَبِّیۡ﴾ ’’اور میں یہ دعا کروں گا اپنے رب سے‘‘ یہ دعائے عبادت اور دعائے سوال دونوں کو شامل ہے

﴿عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا﴾ ’’امید ہے کہ میں اپنے رب سے دعا کر کے محروم نہ رہوں گا‘‘ یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا اور اعمال کو قبول فرما کر مجھے سعادت سے نواز دے۔ یہ اس داعی حق کا وظیفہ ہے جو ایسے لوگوں سے مایوس ہو گیا تھا جن کو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی مگر وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے رہے اور وعظ ونصیحت نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور وہ اپنی سرکشی میں اصرار کے ساتھ سرگرداں رہے۔

جو کوئی اس قسم کی صورت حال میں مبتلا ہو جائے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول رہے اور اپنے رب سے امید رکھے کہ وہ اس کی کوشش کو قبول فرمائے گا اور وہ شر اور اہل شر سے دور رہے۔

انسان کے لئے اپنے وطن مالوف، اپنے اہل وعیال اور اپنی قوم سے جدا ہونا سب سے مشکل اور سب سے زیادہ شاق گزرنے والا کام ہے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی وجہ سے باعزت اور کثرت والا ہوتا ہے اور جو کوئی اللہ کی خاطر کوئی چیز چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عوض اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا: ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا﴾ ”پس جب وہ (ابراہیم علیہ السلام) ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے، ان سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے، اور سب کو“ حضرت اسحاق اور یعقوب علیہما السلام دونوں کو ﴿جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ ”ہم نے نبی بنایا۔“ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان تمام صالحین و مرسلین کو یہ شرف نبوت حاصل ہوا جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا، انہیں اپنی وحی کے لئے مختص کیا، انہیں اپنی رسالت کے لئے تمام جہانوں میں سے چن لیا۔ فرمایا ﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ﴾ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دونوں بیٹوں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کو ﴿مِّنْ رَّحْمَتِنَا﴾ ”اپنی رحمت سے نوازا۔“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے بہرہ ور کیا، علوم نافعہ اور اعمال صالحہ عطا کیے اور انہیں بے شمار ذریت عطا کی جو ساری دنیا میں پھیلی اور ان کے اندر بکثرت انبیاء اور صالحین ہوئے۔

﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ ”اور ان کے ذکر جمیل کو بلند کیا۔“ یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے ان کو بہرہ ور کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک کام کرنے والے ہر شخص سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی نیکی کے مطابق اسے سچی شہرت عطا کرے گا۔ ان کا شمار تو ائمہ محسنین میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں سچی، جس میں جھوٹ کا شائبہ نہیں، ظاہر و باہر اور غیر مخفی ثنائے حسن عطا کی۔ ان کے ذکر خیر، ان کی ثنائے حسن اور ان کے ساتھ محبت نے مشرق و مغرب کو لبریز کر دیا ہے۔ خلائق کے دلوں میں ان کی محبت سما گئی، لوگوں کی زبان پر ان کا ذکر اور ان کی مدح و ثنا جاری ہو گئی۔ وہ پیروی کرنے والوں کے قائد اور راہنمائی حاصل کرنے والوں کے راہ نما بن گئے۔ ہر زمانے میں ان کا ذکر خیر نئے نئے اسالیب میں لوگوں کی زبانوں پر جاری رہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ

اور ذکر کیجیے کتاب میں موسیٰ کا، بلاشبہ وہ تھا چنا ہوا، اور تھا رسول نبی ○ اور پکارا ہم نے اسے

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ

طور کی دائیں جانب سے، اور قریب کیا ہم نے اسے سرگوشی کرنے کے لئے ○ اور عطا کیا ہم نے اسے

مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾

اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی (بنا کر) ○

یعنی اس قرآن عظیم میں، حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی تعظیم و توقیر، ان کے مقام عالی قدر اور اخلاق کاملہ کی تعریف کے طور پر، ان کا ذکر کیجئے۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا﴾ (مُخْلَصًا) کو لام کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت دی، اسے پسند کر لیا اور اسے چن لیا۔ ایک دوسری قراءت میں (مُخْلِصًا) کو لام کی زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے تب اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تمام اعمال، اقوال اور نیت میں اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص تھے۔ ان کے تمام احوال میں اخلاص ان کا وصف تھا...... دونوں معنیٰ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخلاص کی بنا پر ان کو چن لیا اور ان کا اخلاص اس بات کا موجب تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو چن لے اور بندۂ مومن کا جلیل ترین حال یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے لئے اخلاص کا حامل ہو اور اس کا رب اسے اپنے لئے چن لے۔

﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں رسالت اور نبوت کو یکجا کر دیا۔ پس رسالت، بھیجنے والے کے کلام کی تبلیغ کا تقاضا کرتی ہے، نیز یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ شریعت کی جو بھی چھوٹی یا بڑی چیز آئی ہے اسے بندوں تک پہنچایا جائے...... اور نبوت اس بات کی مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر وحی آتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے وحی کی تنزیل کے لئے اسے مختص کر لیا ہو۔ پس نبوت کا تعلق بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے اور رسالت کا تعلق بندے اور مخلوق کے درمیان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی جلیل ترین اور سب سے افضل نوع کے ساتھ خاص فرمایا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام کرنا اور انہیں اپنی سرگوشی کے لیے اپنے قریب کرنا۔ انبیاء میں سے اس فضیلت کے ساتھ صرف موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا گیا کہ وہ رحمان کے کلیم ہیں۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب سے، جب وہ سفر کر رہے تھے، ہم نے ان کو ندا دی۔ یا (الْأَيْمَن) سے مراد بابرکت ہے یعنی یہ (يُمْن) ''برکت'' سے ہے اور اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ ﴿اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (النمل: ۲۷/۸) ''بابرکت ہے وہ ہستی جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے اردگرد ہے۔''

﴿وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ ''اور ہم نے موسیٰ کو سرگوشی کے لیے اپنے قریب کیا۔'' ندا اور مناجات میں فرق یہ ہے، کہ ندا بلند آواز میں ہوتی اور مناجات اس سے کم تر دھیمی آواز میں ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی تمام انواع...... مثلاً ندا اور مناجات وغیرہ، کا اثبات ہوتا ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس کے برعکس جهمیه، معتزله اور ان کے ہم مسلک گروہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتے ہیں۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے اور ان کا اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خیر خواہی ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان

کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کی ذمہ داری میں شریک کر کے انہیں بھی ان کی مانند رسول بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو رسول بنا دیا...... پس ہارون علیہ السلام کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے تابع ہے' حضرت ہارون علیہ السلام نبوت کے معاملات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور اعانت کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ۚ

اور ذکر کیجئے کتاب میں اسمٰعیل کا، بلاشبہ وہ تھا سچا وعدے کا، اور تھا وہ رسول نبی ○

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾

اور تھا وہ حکم کرتا اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا، اور تھا وہ نزدیک اپنے رب کے پسندیدہ ○

یعنی قرآن کریم میں اس عظیم نبی (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کا ذکر کیجئے جس سے عربی قبیلے کی نسل چلی جو سب سے افضل اور جلیل قبیلہ ہے' جس سے اولاد آدم کے سردار' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ یعنی وہ جو بھی وعدہ کرتے تھے اسے پورا کرتے تھے۔ اس میں وہ تمام وعدے شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کئے گئے اور جو بندوں سے کئے گئے...... اسی لئے جب ان کے والد نے ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ سے صبر کرنے کا وعدہ کیا' چنانچہ انہوں نے اپنے والد سے کہا ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الصّٰٓفّٰت: ١٠٢/٣٧) ''اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' انہوں نے یہ وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے والد کو پورا اختیار دیا کہ وہ ان کو ذبح کریں' جو کہ سب سے بڑی مصیبت ہے جو انسان کو پہنچ سکتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو رسالت اور نبوت سے متصف کیا جو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر سب سے بڑا احسان ہے...... اور انہیں مخلوق کے بلند ترین طبقے میں سے کیا۔

﴿وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ ''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے۔'' یعنی اپنے گھر والوں پر اللہ کا حکم نافذ کرتے تھے۔ پس انہیں نماز کا حکم دیتے جو معبود کے لیے اخلاص کو متضمن ہے اور زکوۃ کا حکم دیتے جو بندوں کے ساتھ احسان کرنے کو متضمن ہے۔ یوں انہوں نے اپنے آپ کو بھی درجۂ کمال پر پہنچایا اور دوسروں کو بھی کامل بنایا' بالخصوص ان کو جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ ان کے نزدیک خاص تھے اور وہ ان کے اہل خانہ تھے کیونکہ وہ دوسروں کے مقابلے میں ان کی دعوت و تبلیغ کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔

﴿وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے رب کی مرضیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور ایسے امور سرانجام دینے میں کوشاں رہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ اس نے ان کو اپنے خاص بندوں اور اولیائے مقربین میں سے کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

اور ذکر کیجئے کتاب میں ادریس کا، بلاشبہ وہ تھا نہایت سچا، نبی ○ اور اٹھایا ہم نے اس کو مکان بلند میں ○

یعنی اس کتاب کریم میں تعظیم واجلال اور صفات کمال سے متصف ہونے کے اعتبار سے ادریس علیہ السلام کا ذکر کرو! ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیک وقت صدیقیت ...... جو تصدیق تام، علم کامل، یقین ثابت اور عمل صالح کی جامع ہے...... اور اپنی وحی اور رسالت کے لئے چن لیا۔ ﴿وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جہانوں میں ان کا ذکر اور مقربین کے درمیان ان کا درجہ بلند کیا۔ پس وہ ذکر کے لحاظ سے بھی بلند تھے اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بھی بلند۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق وَمِمَّنْ حَمَلْنَا

یہ (مذکورہ) وہ لوگ ہیں کہ انعام کیا اللہ نے ان پر، نبیوں میں سے، اولاد آدم سے اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جنہیں اٹھایا (سوار کیا) تھا ہم نے

مَعَ نُوْحٍ ز وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ز وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ط اِذَا

ساتھ نوح کے، اور اولاد سے ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب) کی، اور ان لوگوں میں سے کہ جنہیں ہدایت دی ہم نے، اور چن لیا ہم نے، جب

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة

السجدة ۵

تلاوت کی جاتی تھیں ان پر آیتیں رحمٰن کی تو وہ گر پڑتے تھے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ○

جب اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے مکرمین اور خواصِ مرسلین کا ذکر فرمایا اور ان کے فضائل و مراتب کا تذکرہ کیا، تو فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی نعمت عطا کی ہے جسے کوئی اور حاصل نہیں کر سکتا، نبوت اور رسالت عطا کر کے ان پر ایسا احسان کیا ہے جس میں کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ان لوگوں کے راستے کی طرف ہماری راہنمائی کرے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، نیز یہ کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (النساء: ٤/ ٦٩) جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ۔

ان میں سے بعض ﴿مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ﴾ ”آدم کی اولاد میں سے ہیں اور کچھ ان میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کر دیا۔“ یعنی نوح کی ذریت میں سے ہیں۔ ﴿وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ﴾ یہ گھرانے دنیا کے تمام گھرانوں سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے لئے پسند کر لیا اور چن لیا۔ جب ان کے سامنے رحمٰن کی وہ آیات تلاوت کی جاتی تھیں جو غیب کی خبروں، علام الغیوب کی صفات، روز آخرت کی خبروں اور وعدو وعید کو متضمن ہیں تو ان کا حال یہ ہوتا ہے۔ ﴿خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ

کی آیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ ان آیات نے ان کے دلوں کو ایمان اور رغبت و رہبت سے لبریز کر دیا جو ان کے لئے آہ و بکا' انابت اور اپنے رب کے حضور سجدے کی موجب ہیں۔ وہ ان لوگوں کی مانند نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات سنتے ہیں تو ان پر اندھے بہرے بن کر رہ جاتے ہیں۔

آیات کی' اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (رحمان) کی طرف اضافت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات' اس کے بندوں پر اس کی رحمت اور احسان ہے کیونکہ اس نے آیات کے ذریعے سے ان کی حق کی طرف راہنمائی کی' ان کی کورنگاہی کو دور کر کے بصیرت سے نوازا' انہیں گمراہی سے بچایا اور جہالت کی تاریکیوں میں انہیں علم کی روشنی عطا کی۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ
پھر جانشین ہوئے بعد انکے ناخلف (برے) لوگ، ضائع کر دیا انہوں نے نمازوں کو اور پیروی کی انہوں نے خواہشات کی، پس عنقریب
يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
ملیں گے وہ ہلاکت کو ○ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیا اچھا تو یہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں،
وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ اِۨلَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ
اور نہ ظلم کیے جائیں گے وہ کچھ بھی ○ (یعنی) باغات ہمیشگی کے، وہ جن کا وعدہ کیا ہے (اللہ) رحمٰن نے اپنے بندوں سے بن دیکھے، بلاشبہ
كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا
ہے وعدہ اسکا (ہرصورت) آنے والا ○ نہیں سنیں گے وہ اس جنت میں لغو بات مگر سلام ہی اور انکے لئے رزق ہوگا انکا اس میں
بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾
صبح اور شام ○ یہی وہ جنت ہے جس کا وارث بنائیں گے ہم اپنے بندوں میں سے اس کو جو ہوگا پرہیز گار ○

جب اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا جو مخلص' اپنے رب کی رضا کی پیروی کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو ان کے بعد آئے' اور انہوں نے ان امور کو بدل دیا جن کا ان کو حکم دیا گیا تھا' ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین بنے جو پیچھے لوٹ گئے۔ انہوں نے نماز کو ضائع کیا جس کی حفاظت اور اس کو قائم کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا' انہوں نے نماز کو حقیر سمجھا اور اسے ضائع کر دیا۔ جب انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا جو دین کا ستون' ایمان کی میزان اور رب العالمین کے لئے اخلاص ہے' جو سب سے زیادہ مؤکد عمل اور سب سے افضل خصلت ہے' تو نماز کے علاوہ باقی دین کو ضائع کرنے اور اس کو چھوڑ دینے کی زیادہ توقع کی جا سکتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ شہوات نفس اور اس کے ارادوں کے پیچھے لگ گئے' اس لئے ان کی ہمتوں کا رخ ان شہوات کی طرف پھر گیا اور انہوں نے ان شہوات کو حقوق اللہ پر ترجیح

دی۔ یہیں سے حقوق اللہ کو ضائع کرنے اور شہوات نفس پر توجہ دینے نے جنم لیا۔ یہ شہوات نفس جہاں کہیں بھی نظر آئیں اور جس طریقے سے بھی بَن پڑا' انہوں نے ان کو حاصل کیا۔ ﴿فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا﴾ ''پس عنقریب ملیں گے وہ ہلاکت کو۔'' یعنی کئی گنا سخت عذاب۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے استثناء فرمایا ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ یعنی جس نے شرک' بدعات اور معاصی سے توبہ کر لی' ان کو ترک کر کے ان پر نادم ہوا اور دوبارہ ان کا ارتکاب نہ کرنے کا پکا عزم کر لیا ﴿وَاٰمَنَ﴾ اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور روز قیامت پر ایمان لایا ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''اور نیک عمل کیے۔'' اور عمل صالح سے مراد وہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر مشروع فرمایا ہے جبکہ عمل کرنے والے کی نیت رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ یعنی جس نے توبہ' ایمان اور عمل صالح کو یکجا کر لیا ﴿یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ ''وہ جنت میں داخل ہوں گے۔'' جو ہمیشہ رہنے والی نعمتوں' ہر قسم کے تکدر سے سلامت زندگی اور رب کریم کے قرب پر مشتمل ہوگی۔ ﴿وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْـًٔا﴾ یعنی ان کے اعمال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی بلکہ ان کو ان کے اعمال کا کئی گنا زیادہ اجر ملے گا۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ جنت جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے عام باغات کی مانند نہیں' بلکہ وہ تو ﴿جَنّٰتِ عَدْنِ﴾ ''ہمیشہ قیام والی جنتیں ہیں'' جہاں نازل ہونے والے کبھی کوچ کریں گے نہ کہیں اور منتقل ہوں گے اور نہ ان کی نعمتیں زائل ہوں گی اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ جنتیں بہت وسیع ہوں گی اور ان میں بے شمار نعمتیں' مسرتیں' رونقیں اور خوش کن چیزیں ہوں گی۔

﴿الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ﴾ یعنی جس کا رحمان نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو اپنے اسم مبارک (الرحمان) کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ ان میں ایسی رحمتیں اور ایسا حسن سلوک ہوگا کہ ان کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے تصور میں کبھی ان کا گزر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو اپنی رحمت سے موسوم فرمایا ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (ال عمران: ۳/ ۱۰۷) ''اور جن کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف ان کی اضافت' ان کی مسرتوں کے دوام پر دلالت کرتی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بقاء کے ساتھ یہ بھی باقی رہیں گی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار اور اس کی موجبات میں شمار ہوتی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں (عباد) سے مراد اس کی الوہیت کے معتقد وہ بندے ہیں جو اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی شریعت کا التزام کرتے ہیں۔ پس عبودیت ان کا وصف بن جاتی ہے' مثلاً (عباد الرحمن) وغیرہ

بخلاف ان بندوں کے جو مِلک کے اعتبار سے تو اس کے بندے ہیں مگر اس کی عبادت نہیں کرتے۔ یہ بندے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے بندے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا' وہ ان کو رزق عطا کرتا ہے اور ان کی تدبیر کرتا ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے بندے نہیں اور اس کی عبودیت اختیاری کے تحت نہیں آتے جس کو اختیار کرنے والا قابل مدح ہے۔ ان کی عبودیت تو عبودیت اضطراری ہے جو قابل مدح نہیں۔

ارشاد مقدس ﴿بِالْغَيْبِ﴾ میں یہ احتمال ہے کہ ﴿وَعَدَ الرَّحْمٰنُ﴾ سے متعلق ہو تب اس احتمال کی صورت میں یہ معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ ان جنتوں کا غائبانہ وعدہ کیا ہے جن کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہے نہ ان کو دیکھا ہے' وہ ان پر ایمان لائے' غائبانہ ان کی تصدیق کی اور ان کے حصول کے لئے کوشاں رہے' حالانکہ انہوں نے ان کو دیکھا ہی نہیں اور اگر وہ ان کو دیکھ لیتے تب ان کا کیا حال ہوتا' اس صورت میں ان کی شدید طلب رکھتے ہیں' ان میں بہت زیادہ رغبت رکھتے اور ان کے حصول کے لئے سخت کوشش کرتے۔ اس میں ان کے ایمان بالغیب کی بنا پر ان کی مدح ہے' یہی وہ ایمان ہے جو فائدہ دیتا ہے' نیز اس امر کا احتمال بھی ہے کہ (بالغیب) (عبادہ) سے متعلق ہو یعنی وہ لوگ جنہوں نے حالت غیب میں اور اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کی عبادت کی۔ ان کی عبادت کا یہ حال ہے حالانکہ انہوں نے اس کو دیکھا نہیں اگر وہ اس کو دیکھ لیتے تو وہ اس کی بہت زیادہ عبادت کرتے اور اس کی طرف بہت زیادہ رجوع کرتے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے اندر بہت زیادہ محبت اور اشتیاق ہوتا۔

اس کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جنتیں' جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے' ان کا تعلق ایسے امور کے ساتھ ہے جو اوصاف کے دائرۂ ادراک سے باہر ہیں۔ جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس اس آیت کریمہ میں جنت کے لئے شوق ابھارا گیا ہے' نیز آیت کریمہ میں بیان کردہ مجمل وصف نفوس کو اس کے حصول اور ساکن کو اس کی طلب میں متحرک کرتا ہے اور یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (السجدۃ: ١٧/٣٢) ''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے صلے میں ان کے لئے آنکھوں کی کون سی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔'' مذکورہ تمام معانی صحیح اور ثابت ہیں۔ البتہ پہلا احتمال زیادہ صحیح ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا﴾ ''بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہے۔'' یعنی یہ ضرور ہو کر رہے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ سب سے زیادہ سچی ہستی ہے۔

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ یعنی وہ جنت میں کوئی ایسی لغو بات نہیں سنیں گے جس کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات سنیں گے جس کا سننا گناہ ہو' لہٰذا وہ جنت میں کوئی سب و شتم' کوئی عیب جوئی اور نہ کوئی ایسی بات سنیں گے جس کے سننے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب ہوتا ہو اور نہ ہی تکدر پر مبنی کوئی بات ﴿اِلَّا سَلٰمًا﴾

یعنی وہ صرف ایسی باتیں سنیں گے جو ہر عیب سے پاک ہوں گی۔ یعنی ذکر الٰہی، سلام، پر سرور باتیں، بشارت، دوستوں کے درمیان خوبصورت اور اچھی اچھی باتیں، رحمٰن کا خطاب، حوروں، فرشتوں اور غلمان کی دل ربا آوازیں، طرب انگیز نغمات، اور نرم الفاظ سننے کو ملیں گے کیونکہ یہ سلامتی کا گھر ہے جہاں ہر لحاظ سے کامل سلامتی کے سوا کچھ نہیں۔ ﴿ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا ﴾ ”اور ان کے لیے ان کا رزق ہوگا اس میں“ یعنی ماکولات ومشروبات اور مختلف انواع کی لذات جب بھی وہ طلب کریں گے اور جب بھی رغبت کریں گے ہمیشہ موجود پائیں گے۔ ان کی تکمیل، ان کی لذت اور ان کا حسن یہ ہے کہ یہ معلوم اوقات میں ہوں گی ﴿ بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴾ ”صبح اور شام“ تاکہ ان چیزوں کا وقوع باعظمت اور ان کا فائدہ کامل ہو۔

وہ جنت جس کا ہم نے وصف بیان کیا ہے ﴿ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴾ ہم اہل تقویٰ کو اس جنت کا وارث بنائیں گے، اس جنت کو ہم ان کا دائمی گھر بنائیں گے جہاں سے وہ کبھی کوچ کریں گے نہ یہاں سے کہیں اور منتقل ہونا چاہیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ (آل عمران: ۱۳۳/۳) ”دوڑ کر بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے جو اہل تقویٰ کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ

اور نہیں اترتے ہم مگر آپکے رب کے حکم سے اسی کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ اسکے درمیان ہے،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ

اور نہیں ہے آپکا رب بھولنے والا ○ رب ہے آسمانوں اور زمین کا، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، پس آپ عبادت کریں اسکی

وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

اور قائم رہیں اس کی عبادت پر، کیا آپ جانتے ہیں اس کے لیے کوئی (اور اس کا) ہم نام؟ ○

ایک دفعہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر دیر سے نازل ہوئے آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا ”آپ جتنی بار ہمارے پاس آتے ہیں، کاش اس سے زیادہ ہمارے پاس آئیں“ آپ نے یہ بات جبریل علیہ السلام کی طرف اشتیاق اور اس کی جدائی سے وحشت محسوس کرتے ہوئے کہی تاکہ اس کے نزول سے اطمینان قلب حاصل ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی زبانی فرمایا: ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ﴾ ”ہم تو اپنے رب کے حکم ہی سے اترتے ہیں“ یعنی اس معاملے میں ہمیں کوئی اختیار نہیں اگر ہمیں نازل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے تو ہم اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ہم اس کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾ (التحریم: ۶/۶۶) ”اللہ جو حکم ان کو دیتا ہے، وہ اس کی نافرمانی نہیں

کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ ''ہم تو مامور و محکوم بندے ہیں۔

﴿ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ ﴾ ''اسی کے لیے ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان میں ہے۔'' یعنی وہی ہے جو ہر زمان و مکان میں' امور ماضی' امور حاضر اور امور مستقبل کا مالک ہے اور جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ اختیار میں ہیں' تو ہم محض اس کے بندے اور اس کی دست تدبیر کے تحت ہیں' اس لئے تمام معاملہ ان دو باتوں کے مابین ہے۔

۱۔ آیا حکمت الٰہی اس فعل کا تقاضا کرتی ہے' کہ وہ اسے نافذ فرمائے؟

۲۔ یا حکمت الٰہی اس فعل کا تقاضا نہیں کرتی؟ کہ وہ اسے مؤخر کر دے؟

اس لئے فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ﴾ ''اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔'' یعنی آپ کا رب آپ کو فراموش کر کے مہمل نہیں چھوڑے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴾ (الضحیٰ: ۹۳/۳) ''آپ (ﷺ) کے رب نے آپ ﷺ کو چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے ناراض ہے۔'' بلکہ وہ اپنے بہترین قوانین جمیلہ اور تدابیر جلیلہ کے مطابق' آپ کے لئے احکام جاری کرتے ہوئے آپ کے تمام امور کو درخور اعتنا رکھتا ہے' یعنی جب ہم وقت معتاد سے تاخیر سے نازل ہوتے ہیں تو یہ چیز آپ (ﷺ) کو غمزدہ نہ کرے اور آپ (ﷺ) کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تاخیر کا ارادہ کیا ہے کیونکہ اس میں اس کی حکمت ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے احاطۂ علم اور عدم نسیان کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا۔'' پس زمین اور آسمان میں اس کی ربوبیت' اور ان کا بہترین اور کامل ترین نظام کے مطابق رواں دواں رہنا' جس میں غفلت کا کوئی شائبہ ہے نہ ان میں کوئی چیز بے فائدہ ہے اور نہ کوئی چیز باطل ہے...... اس حقیقت پر قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو شامل ہے' لہٰذا آپ ﷺ اپنے آپ کو اس میں مشغول نہ کریں بلکہ آپ ان امور میں اپنے آپ کو مشغول کریں جو آپ کو کوئی فائدہ دیتے ہیں اور جن کا فائدہ آپ کی طرف لوٹتا ہے اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت جس کا کوئی شریک نہیں۔

﴿ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ﴾ یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر کاربند رکھئے اس میں کوشاں رہیے' اور مقدور بھر اس کو کامل ترین طریقے سے قائم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت عبادت گزار کو تمام تعلقات اور شہوات کے ترک کرنے میں تسلی کا باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ○ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۱۳۱-۱۳۲) ''ان کی اس دنیاوی شان و شوکت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو عطا کی ہے' تاکہ ہم اس کے ذریعے سے انہیں آزمائیں

اور آپ کے رب کا عطا کردہ رزق بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے، اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے۔''

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ کیا آپ تمام مخلوق میں اس کی کوئی ہم نام، کوئی مشابہت اور مماثلت رکھنے والی ہستی جانتے ہیں؟ یہ استفہام نفی کا معنیٰ دیتا ہے جو عقلاً معلوم ہے، یعنی آپ کسی ایسی ہستی کو نہیں جانتے جو اللہ تعالیٰ کی برابری کرنے والی اس کے مشابہ اور مماثل ہو۔ کیونکہ وہ رب ہے اور دوسرے مربوب، وہ خالق ہے اور دیگر تمام مخلوق، وہ ہر لحاظ سے بے نیاز ہے اور دیگر تمام ہر لحاظ سے بالذات محتاج ہیں، وہ کامل ہے جو ہر لحاظ سے کمال مطلق کا مالک ہے دیگر تمام ناقص ہیں کسی میں کوئی کمال نہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کر دیا۔ پس یہ اس حقیقت پر برہان قاطع ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا عبودیت کا مستحق ہے۔ اس کی عبادت حق اور ماسوا کی عبادت باطل ہے، اس لئے اس نے صرف اپنی عبادت کرنے اور اس پر پابند رہنے کا حکم دیا اور اس کی علت یہ بتلائی کہ وہ اپنے کمال، اپنی عظمت اور اسمائے حسنیٰ میں منفرد ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝۶۶ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ

اور کہتا ہے انسان، کیا جب میں مر جاؤں گا تو البتہ نکالا جاؤں گا (قبر سے) زندہ (کر کے)؟○ کیا نہیں یاد کرتا انسان

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝۶۷

کہ بیشک ہم ہی نے پیدا کیا ہے اسے پہلے اس سے، اور نہ تھا وہ کچھ بھی○

یہاں (الانسان) سے مراد ہر وہ شخص ہے جو زندگی بعد موت کا منکر ہے اور وہ مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کو بعید سمجھتا ہے، چنانچہ وہ نفی، عناد اور کفر کی وجہ سے استفہامیہ اسلوب میں کہتا ہے: ﴿ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا﴾ یعنی میرے مرنے کے بعد، جبکہ میں بوسیدہ ہو چکا ہوں گا، اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ کیسے زندہ کرے گا؟ ایسا نہیں ہو سکتا اور اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس کی عقل فاسد، برے مقصد، اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں کے ساتھ اس کے عناد کے مطابق ہے۔ اگر اس نے تھوڑا سا بھی غور و فکر کیا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کا دوبارہ زندہ کئے جانے کو بعید سمجھنا بہت بڑی حماقت ہے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے زندگی بعد موت کے امکان پر ایسی قطعی برہان اور واضح دلیل بیان فرمائی ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔ ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا﴾ کیا وہ اس طرف التفات نہیں کرتا اور اپنی پہلی حالت کو یاد نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ پس جو ہستی اسے عدم سے وجود میں لانے کی قدرت رکھتی ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، کیا وہ ہستی اسے اس کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کی اور اس کے بکھر جانے کے بعد اس کو دوبارہ اکٹھا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی؟ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا

﴿الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (الروم: ۳۰/۲۷) ''وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور ایسا کرنا اس کے لیے آسان تر ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ﴾ میں لطیف ترین پیرائے میں عقلی دلیل کے ذریعے سے غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے' اس کا انکار پہلی حالت کے بارے میں اس کی غفلت پر مبنی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اس کو یاد کر کے اپنے ذہن میں حاضر کرنے کی کوشش کرے تو وہ ہرگز انکار نہیں کرے گا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝۶۸

پس قسم ہے آپ کے رب کی، البتہ ہم ضرور اکٹھا کریں گے انہیں ہمراہ شیطانوں کے، پھر البتہ ہم ضرور حاضر کریں گے انہیں ارد گرد جہنم کے گھٹنوں کے بل ○

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝۶۹ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ

پھر البتہ ہم ضرور کھینچ لیں گے ہر گروہ میں سے جونسا ان کا زیادہ سخت تھا، رحمٰن کے خلاف سرکشی میں ○ پھر یقیناً ہم خوب جانتے ہیں

بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝۷۰

ان لوگوں کو کہ وہ زیادہ لائق ہیں جہنم میں داخل ہونے کے ○

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی قسم اٹھائی اور وہ سب سے سچی ہستی ہے کہ وہ زندگی بعد موت کا انکار کرنے والوں کو ضرور اکٹھا کرے گا' ان کو اور ان کے شیطانوں کو ایک مقررہ روز جمع کرے گا۔ ﴿ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾ یعنی ہولناکیوں کی شدت' زلزلے کی کثرت اور احوال کی خوفناکی کی وجہ سے وہ اپنے گھٹنوں کے بل آئیں گے اور بلند و برتر اللہ کے حکم کے منتظر ہوں گے' اس لیے ارشاد فرمایا: ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾ یعنی ہم ہر گروہ اور ہر فرقے سے ظالموں کو نکال لیں گے جو ظلم' کفر اور سرکشی میں اشتراک رکھتے ہیں' اور (عُتُوّ) وہ شخص ہے جو ان میں سے سب سے زیادہ سرکش' سب سے بڑا ظالم اور سب سے بڑا کافر ہے۔ پس اس کو عذاب کی طرف ان سب میں مقدم کیا جائے گا' پھر اسی طرح عذاب کی طرف اس کو مقدم کیا جائے گا جو گناہ میں اس سے کم تر ہو گا پھر اسے جو اس سے کم تر ہو گا علیٰ ہذا القیاس۔ اور وہ اس حال میں ایک دوسرے پر لعنت بھیج رہے ہوں گے۔ ان میں سے آخری گروہ اولین گروہ سے کہے گا: ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ (الاعراف: ۷/۳۸) ''اے ہمارے رب! یہی لوگ تھے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا پس انہیں جہنم کا دوگنا عذاب دے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ (الاعراف: ۷/۳۹) ''پہلا گروہ آخری گروہ سے کہے گا تمہیں ہم پر کچھ بھی فضیلت حاصل نہیں۔''

اور یہ سب کچھ اس کے عدل و حکمت اور اس کے لامحدود علم کے تابع ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ

﴿بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾ یعنی ہمارا علم ہر اس شخص کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو آگ میں جھونکے جانے کا زیادہ مستحق ہے ہمیں ان کے بارے میں علم ہے اور ہم ان کے اعمال' ان اعمال کے استحقاق اور ان کے عذاب کی مقدار بھی جانتے ہیں۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

اور نہیں ہے تم میں سے (کوئی بھی) مگر وہ وارد ہوگا اس میں' ہے یہ آپ کے رب کے ذمے حتمی فیصل شدہ بات ○ پھر ہم نجات دیں گے

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

ان لوگوں کو جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا، اور ہم چھوڑ دیں گے ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ○

یہ خطاب نیک و بد' مومن اور کافر' تمام خلائق کے لئے ہے' خلائق میں کوئی ایسا نہیں ہوگا جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے اور اس نے اس کے ذریعے سے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے اس کا نفاذ لابدی اور اس کا وقوع حتمی ہے۔ البتہ وارد ہونے کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ تمام مخلوق جہنم میں حاضر ہوگی حتیٰ کہ تمام لوگ گھبرا اٹھیں گے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو نجات دے دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ وارد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ مگر اہل ایمان پر جہنم کی آگ سلامتی والی اور ٹھنڈی ہو جائے گی۔ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ''وارد ہونے'' سے مراد پل صراط پر سے گزرنا ہے جو جہنم کے اوپر بنا ہوا ہوگا۔ لوگ اپنے اعمال کی مقدار کے مطابق پل پر سے گزریں گے' بعض لوگ پلک جھپکتے گزر جائیں گے' بعض ہوا کی سی تیزی سے گزریں گے' بعض عمدہ گھوڑوں' عمدہ سواریوں کی طرح اور بعض چلتے ہوئے' بعض گھسٹتے ہوئے گزریں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جن کو اچک کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ہر ایک کے ساتھ اس کے تقویٰ کے مطابق معاملہ ہوگا' اس لئے فرمایا: ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ یعنی پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر مامورات کی تعمیل کرتے اور محظورات سے اجتناب کرتے رہے ہوں گے۔ ﴿وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور چھوڑ دیں گے ہم ظالموں کو'' یعنی جنھوں نے کفر اور معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ﴿فِيْهَا جِثِيًّا﴾ ''اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔'' یہ سب عذاب ان کے ظلم اور کفر کے سبب سے ہوگا' جہنم میں ہمیشہ رہنا ان کا مقدر بن جائے گا' وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اور نجات کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں واضح' تو کہتے ہیں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے،

اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

کون سا دونوں فریقوں میں سے بہتر ہے باعتبار مقام کے، اور زیادہ اچھا ہے باعتبار مجلس کے؟ ○ اور بہت سی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے

مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝٧٤

قومیں کہ وہ بڑھ کر تھیں (ان سے) باعتبار ساز و سامان اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کے ○

جب ان کفار کے سامنے ہماری آیات بینات کی تلاوت کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی صداقت پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں اور جو کوئی ان کو سنتا ہے اس کے لئے صدق ایمان اور شدت ایقان کا موجب بنتی ہیں...... تو یہ ان آیات کا متضاد امور اور استہزا کے ساتھ سامنا کرتے ہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کا تمسخر اڑاتے ہیں اور دنیا میں اپنی خوش حالی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اہل ایمان سے بہتر ہیں۔ پس وہ حق سے معارضہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ﴾ ''دونوں فریقوں میں سے کون۔'' یعنی مومنین اور کفار میں سے ﴿خَیْرٌ مَّقَامًا﴾ ''زیادہ بہتر ہے مقام کے لحاظ سے'' یعنی دنیا میں کثرت مال و اولاد اور تفوق شہوات کے اعتبار سے کون اچھے مقام پر ہے ﴿وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا﴾ ''اور کس کی مجلس اچھی ہے؟'' یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے مال اور اولاد کی کثرت آسائشوں کے حصول اور مجلس آرائیوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے احوال اچھے ہیں اور اہل ایمان کا حال اس کے برعکس ہے' اس لئے وہ اہل ایمان سے بہتر ہیں اور یہ انتہائی فاسد دلیل ہے یہ چیز تقلیب حقائق میں شمار ہوتی ہے۔ ورنہ کثرت مال و اولاد اور خوبصورت منظر میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ان لوگوں کی ہلاکت' شر اور شقاوت کی باعث ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا﴾ ''اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں وہ زیادہ اچھے تھے مال و متاع کے اعتبار سے۔'' یعنی برتن' بچھونے' گھر اور سامان آرائش وغیرہ کے اعتبار سے اچھے تھے۔ ﴿وَّرِءْيًا﴾ ''اور نام و نمود میں۔'' یعنی آسودہ زندگی' لذتوں کے سرور اور خوبصورت چہروں کے پر کشش مناظر کے اعتبار سے۔

پس جب وہ ہلاک شدگان جو بہترین اثاثے اور خوبصورت مناظر رکھتے تھے' ان چیزوں کے ذریعے عذاب سے نہ بچ سکے تو یہ لوگ کیسے بچ سکتے ہیں جو مال و متاع اور سہولتوں میں ان سے کمتر اور کمزور ہیں۔ ارشاد فرمایا: ﴿اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِی الزُّبُرِ﴾ (القمر: ٥٤/ ٤٣) ''کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں یا پہلی کتابوں میں تمہارے لئے براءت لکھ دی گئی ہے۔'' اس سے واضح ہو گیا کہ دنیاوی بہتری سے اخروی بہتری پر استدلال کرنا سب سے فاسد دلیل ہے اور یہ کفار کا طریق استدلال ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ

کہہ دیجئے! جو شخص ہے گمراہی میں تو ڈھیل دیتا ہے اسے رحمٰن (لمبی) ڈھیل دینا یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں وہ،

اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝٧٥

یا عذاب اور یا قیامت' تو ضرور جان لیں گے وہ کہ کون ہے کہ وہ بدتر ہے باعتبار مکان کے اور کمزور تر ہے باعتبار لشکر کے ○

جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی باطل دلیل کا ذکر کیا جو ان کے عناد کی شدت اور گمراہی کی قوت پر دلالت کرتی ہے' وہاں اس نے یہ بھی آگاہ فرمادیا کہ جو کوئی گمراہی میں مستغرق اور اس پر راضی ہے اور گمراہی کے لئے کوشاں رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی کو اور زیادہ کر دیتا ہے اور گمراہی کے لئے اس کی چاہت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ اس کے لئے اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ (الانعام: ۶/ ۱۱۰) ''اور ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے تو جیسے یہ پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے تھے (ویسے پھر ایمان نہ لائیں گے) اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیں گے۔''

﴿حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ لوگ دیکھیں گے'' جو کہتے تھے: ''دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بہتر ہے مقام کے لحاظ سے اور کس کی مجلس اچھی ہے؟'' ﴿مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ﴾ ''جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا یا تو عذاب'' یعنی قتل وغیرہ کے ذریعے ان کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ﴿وَاِمَّا السَّاعَةَ﴾ ''اور یا قیامت'' جو اعمال کی جزا کا دروازہ ہے۔ ﴿فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا﴾ ''پس عنقریب وہ جان لیں گے کہ کون بدتر ہے مقام کے لحاظ سے اور زیادہ کمزور ہے جتھے کے اعتبار سے۔'' یعنی اس وقت ان کے دعوے کا بطلان ظاہر ہو گا تب یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان کا دعویٰ کس قدر کمزور تھا اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی وہ بدکار لوگ تھے۔ مگر یہ علم انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ اب ان کا دنیا میں واپس جانا ممکن نہیں کہ وہاں وہ پہلے اعمال کے برعکس اعمال بجالائیں۔

وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ
اور زیادہ کرتا ہے اللہ، ان لوگوں کو جنہوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں اور باقی رہنے والی نیکیاں بہت بہتر ہیں نزدیک
رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾
آپ کے رب کے باعتبار ثواب کے اور بہت بہتر ہیں باعتبار انجام کے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ذکر کرنے کے بعد' کہ وہ ظالموں کی گمراہی کو اور زیادہ کر دیتا ہے یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں' اپنے فضل وکرم اور رحمت سے مزید اضافہ کر دیتا ہے...... اور ہدایت' علم نافع اور عمل صالح دونوں کو شامل ہے۔ پس ہر وہ شخص جو علم وایمان اور عمل صالح کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ علم وایمان عطا کرتا ہے اور اس راستے میں اس کے لئے آسانی کر دیتا ہے اور اسے بعض ایسے امور عطا کرتا ہے جو اس کے اپنے کسب کے تحت نہیں آتے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ سلف صالح کا قول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے۔ ﴿وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِیْمَانًا﴾

(المدثر: ٣١/٧٤) ''تاکہ جو لوگ ایمان لائے ان کے ایمان میں اضافہ ہو۔'' نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال: ٢/٨) ''جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔'' نیز واقعات بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ ایمان دل اور زبان کے قول اور دل، زبان اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، اور ان امور میں تمام اہل ایمان ایک دوسرے سے بہت زیادہ متفاوت ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ یعنی باقی رہنے والے وہ اعمال جو کبھی منقطع نہیں ہوتے جبکہ دیگر اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور جو مضمحل نہیں ہوتے، یہ نیک اعمال ہیں مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، قراءت قرآن، تسبیح وتکبیر، تحمید وتہلیل مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور دیگر تمام اعمال قلب اور اعمال بدن وغیرہ۔ پس یہ تمام اعمال ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان اعمال کا بہتر اجر وثواب ہے، اہل اعمال کے لئے ان اعمال کا فائدہ اور اجر بہت زیادہ ہے۔ یہ اسم تفضیل کو کسی اور جگہ استعمال کرنے کے باب میں ہے کیونکہ وہاں باقیات صالحات کے سوا کوئی عمل صاحب عمل کو کوئی فائدہ دے گا نہ اس کا ثواب صاحب عمل کے لئے باقی رہے گا۔ یہاں باقیات صالحات کو ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے (واللہ اعلم) چونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ظالم کفار اپنے مال واولاد اور حسن مقام وغیرہ کے دنیاوی احوال کو اپنے حسن حال کی علامت قرار دیتے ہیں، اس لئے یہاں آگاہ فرمایا کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ سمجھتے ہیں بلکہ عمل، جو سعادت کا عنوان اور فلاح کا منشور ہے، ان امور کی تعمیل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان پر راضی ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ

کیا پس آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے کفر کیا ساتھ ہماری آیتوں کے، اور اس نے کہا ضرور دیا جاؤں گا میں مال اور اولاد ○ کیا مطلع ہوا ہے وہ غیب پر

اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ

یا لیا ہے اس نے رحمٰن کے ہاں سے کوئی عہد؟ ○ ہرگز نہیں، ضرور لکھیں گے ہم جو کچھ وہ کہتا ہے، اور بڑھا دیں گے ہم اسکے لیے

مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

عذاب (بہت) بڑھانا ○ اور ہم وارث ہوں گے ان چیزوں کے جو وہ کہتا ہے اور وہ آئے گا ہمارے پاس (روز قیامت) اکیلا ہی ○

کیا اس کافر کی حالت پر تعجب نہیں ہوتا جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کو اپنے بہت بڑے دعوے کے ساتھ یکجا کر دیا ہے کہ اس کو آخرت میں بھی مال واولاد سے نوازا جائے گا، یعنی وہ اہل جنت میں سے ہوگا۔ اس کا یہ دعویٰ سب سے زیادہ تعجب انگیز امور میں سے ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہوتا اور پھر یہ دعویٰ کرتا تو معاملہ آسان تھا۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ کسی معین کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے تاہم یہ ہر کافر کو شامل ہے جو

اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے اور وہ اہل جنت میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی توبیخ و تکذیب کے طور پر فرماتا ہے: ﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ﴾ ''کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے؟'' یعنی کیا اس کے علم نے غیب کا احاطہ کر رکھا ہے حتیٰ کہ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کیا کچھ ہو گا جس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ قیامت کے روز اسے مال و اولاد سے نوازا جائے گا ﴿اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ ''یا اس نے رحمٰن سے عہد لے رکھا ہے'' کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کرے گا جن کا اس نے دعویٰ کیا ہے...... یعنی کچھ بھی ایسے نہیں ہو گا۔ تب معلوم ہوا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی کرتا ہے اور ایسی بات کہتا ہے جس کے بارے میں اسے خود بھی علم نہیں۔ اس تقسیم اور تردید کی غرض و غایت' الزامی جواب اور مخالف پر حجت قائم کرنا ہے۔ کیونکہ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں بھلائی حاصل ہو گی اسے مندرجہ ذیل امور میں سے ایک ضرور حاصل ہے۔

(۱) یا تو اس کا یہ قول' امور مستقبل کے بارے میں علم غیب سے صادر ہوا مگر ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ وحدہ کو ہے۔ مستقبل میں پیش آنے والے امور غیب کو کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے رسولوں میں سے جسے اللہ تعالیٰ مطلع کر دے۔

(۲) یا اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں' اپنے ایمان باللہ اور اتباع رسل کے ذریعے سے عہد لے رکھا ہے' جن کے پیروکاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ وہ آخرت میں نجات یافتہ اور کامیاب لوگ ہوں گے۔

جب ان دونوں امور کی نفی ہو گئی تو معلوم ہوا کہ دعویٰ باطل ہے' اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾ ''ہرگز نہیں' وہ جو کہتا ہے ہم لکھ رکھیں گے'' یعنی اصل معاملہ یوں نہیں جس طرح وہ دعویٰ کرتا ہے کیونکہ اس کا قائل امور غیبیہ کی اطلاع نہیں رکھتا' اس لیے کہ وہ کافر ہے۔ اس کے پاس نبوت کا علم ہے نہ اس نے رحمٰن سے عہد لے رکھا ہے کیونکہ وہ کافر ہے اور ایمان سے محروم ہے۔ بلکہ اس کے اس جھوٹ کے برعکس وہ جہنم کا مستحق ہے۔ اس کا یہ قول لکھ لیا گیا ہے اور اللہ کے ہاں محفوظ ہے' اسے اس کی سزا ملے گی اور اس کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ ''اور ہم اس کے لیے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے۔'' یعنی جس طرح یہ اپنی گمراہی میں بڑھتا گیا اسی طرح ہم اس کو دیے جانے والے مختلف اقسام کے عذاب میں اضافہ کریں گے۔ ﴿وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ﴾ ''اور ہم وارث ہوں گے اس کے جس کی بابت وہ کہہ رہا ہے۔'' یعنی ہم اس کے مال اور اولاد کے وارث ہوں گے' چنانچہ وہ مال' اہل و عیال اور اعوان و انصار کے بغیر اس دنیا سے آخرت کے گھر کی طرف منتقل ہو گا ﴿وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا﴾ ''اور آئے گا وہ ہمارے پاس اکیلا ہی۔'' پس وہ بدترین عذاب کا سامنا کرے گا جو اس جیسے ظالم لوگوں کی سزا ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ

اور بنا لئے ہیں انہوں نے سوائے اللہ کے اور معبود تاکہ ہوں وہ ان کے لیے مددگار ○ ہرگز نہیں، عنقریب وہ خود ہی انکار کریں گے

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (۸۲) أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ

ان کی عبادت کا، اور وہ ہونگے ان کے مخالف ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے بھیجا شیطانوں کو

عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا (۸۳) فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا (۸۴)

اوپر کافروں کے کہ وہ ابھاریں انہیں (گناہوں پر) ابھارنا ○ پس نہ جلدی کریں آپ ان پر، ہم گن رہے ہیں انکے لیے گننا ○

یہ کفار کی سزا ہے۔ اس لیے کہ جب انہوں نے اللہ کے حکموں کو نہیں مانا اور نہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی شیاطین کے ساتھ موالات رکھی، تو اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو ان پر مسلط کر دیا اور شیاطین نے ان کو ورغلا کر گناہوں پر آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں کفر کی ترغیب دیتے ہیں، انہیں وسوسوں میں مبتلا کرتے ہیں، ان پر القاء کرتے ہیں اور ان کے سامنے باطل کو مزین کر کے اور حق کو بدنما بنا کر پیش کرتے ہیں۔ پس باطل کی محبت ان کے دلوں میں داخل ہو کر جاگزیں ہو جاتی ہے، وہ باطل کی خاطر اسی طرح کوشش کرتا ہے جس طرح حق پرست حق کے لئے جدوجہد کرتا ہے، وہ اپنی کوشش اور سعی سے باطل کی مدد کرتا ہے اور باطل کے راستے میں حق کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور یہ سب کچھ اس بات کی سزا ہے کہ اس نے اپنے حقیقی دوست اور سرپرست سے منہ موڑ کر اپنے دشمن کو دوست بنا لیا اور اپنے آپ کو اس کے تسلط میں دے دیا۔ ورنہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا اور اس پر بھروسہ کرتا تو شیطان اس پر کبھی تسلط قائم نہ کر سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ﴾ (النحل: ١٦/ ٩٩-١٠٠) ''اسے ان لوگوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا بس تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں اور ان پر جو اس (کے گمراہ کرنے) کی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔''

﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی آپ ان کفار کے بارے میں عجلت نہ کیجیے جو عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ ﴿إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾ ''ہم تو خود ہی ان کے لیے (مدت) شمار کر رہے ہیں۔'' یعنی ان کے لئے دن مقرر کر دیئے گئے ہیں جن میں کوئی تقدیم ہوگی نہ تاخیر۔ ہم انہیں کچھ مدت کے لئے مہلت دے کر بردباری سے کام لے رہے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ جب اس مہلت کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو ہم اسے ایک غالب اور مقتدر ہستی کی طرح اپنی گرفت میں لے لیں گے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا (۸۵) وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا (۸۶) وقف لازم

جس دن ہم اکٹھا کریں گے متقیوں کو رحمٰن کی طرف مہمان (بنا کر) ○ اور ہم ہانکیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے ○

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا (۸۷) وقف لازم

نہیں اختیار رکھیں گے وہ سفارش کرنے کا، مگر جس نے لیا رحمٰن (اللہ) کے ہاں سے عہد ○

اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں گروہوں، یعنی متقین و مجرمین کے درمیان تفاوت بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ متقین کو، ان کے شرک و بدعات اور دیگر گناہوں سے بچنے کے سبب سے، قیامت کے روز، اکرام و تعظیم کے ساتھ اکٹھا کرے گا اور وہ وفود کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ ان کی منزل اور ان کا مطلوب و مقصود رحمٰن و منان ہوگا اور یہ ضروری ہے کہ آنے والے کا دل امید سے لبریز ہو اور جس کے پاس آیا ہے اس پر حسن ظن ہو۔ پس اہل تقویٰ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے پایاں احسان کی امید رکھتے ہوئے اور اس کی رضا کے گھر میں اس کی نوازشوں سے فوز یاب ہوتے ہوئے، اس کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اس کا سبب ان کے وہ نیک اعمال ہوں گے جو انہوں نے آگے بھیجے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی اتباع کی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے انبیاء و رسل کی زبان پر ان کے لئے اس ثواب کا عہد کر رکھا ہے۔ پس وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی طرف رواں دواں ہوں گے۔

رہے مجرم، تو ان کو پیاسا ہی جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور یہ ان کی بدترین حالت ہوگی کہ ان کو انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ سب سے بڑے قید خانے اور بدترین عذاب میں، یعنی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ وہ تھکے ماندے سخت پیاسے ہوں گے، وہ مدد کے لئے پکاریں گے مگر ان کی مدد نہ کی جائے گی، وہ دعائیں کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہ ہوں گی اور وہ سفارش تلاش کریں گے مگر ان کی سفارش نہ کی جائے گی۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ﴾ یعنی وہ سفارش کے مالک ہوں گے نہ انہیں سفارش کا کوئی اختیار ہوگا۔ تمام تر سفارش کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا﴾ (الزمر: ۳۹/ ۴۴) ''کہہ دیجئے سفارش سب اللہ کے لئے ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا ہے کہ سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لا کر اس سے کوئی عہد نہیں لیا...... ورنہ وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں میں شامل ہے جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہے اور اس کو سفارش حاصل ہوگی، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الانبیاء: ۲۱/ ۲۸) ''وہ اس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے وہ (اللہ تعالیٰ) راضی ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ اور اپنے رسولوں کی اتباع کو عہد قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں اور اپنے انبیاء و رسل کی زبان پر عہد کیا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جزائے جمیل عطا کرے گا جو انبیاء و رسل کی اتباع کریں گے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ

اور کہا انہوں نے، بنائی ہے رحمٰن نے اولاد ○ البتہ تحقیق آئے ہو تم ایک بات بڑی بھاری کو ○ قریب ہیں آسمان کہ

يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ (۹۰) اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ (۹۱)

پھٹ پڑیں اس (بات) سے اور شق ہو جائے زمین، اور گر پڑیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ○ (اس بات سے) کہ دعویٰ کیا انہوں نے رحمٰن کیلئے اولاد کا ○

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ (۹۲) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي

اور نہیں لائق رحمٰن کے یہ کہ وہ بنائے اولاد ○ نہیں ہے کوئی بھی (مخلوق) آسمانوں اور زمین میں، مگر آنے والی ہے وہ

الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ (۹۳) لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ (۹۴)

رحمٰن کے پاس غلام بن کر ○ البتہ تحقیق شمار کر رکھا ہے اس نے ان کو، اور گن رکھا ہے انہیں گننا ○

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (۹۵)

اور وہ سب آنے والے ہیں اللہ کے پاس دن قیامت کے تنہا تنہا ○

یہ ان لوگوں کے قول کی قباحت کا بیان ہے جو عناد اور انکار پر جمے ہوئے ہیں اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ رحمٰن نے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں ﴿الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ: ۳۰/۹) ''مسیح اللہ کا بیٹا ہے'' یہودی کہتے ہیں ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ: ۳۰/۹) ''عزیر اللہ کا بیٹا ہے'' اور مشرکین کہتے ہیں ''فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔'' اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند اور بڑا ہے۔

﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا﴾ یعنی تم نے بدترین بات کہی ہے۔ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ﴾ قریب تھا کہ آسمان اپنی عظمت اور صلابت کے باوصف ﴿يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ﴾ اس قول سے پھٹ جاتے۔ ﴿وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ﴾ اور زمین پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی۔ ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر برابر ہو جاتے۔ ﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ ''اس بنا پر کہ انہوں نے رحمٰن کی اولاد ٹھہرائی۔'' یعنی اس بدترین دعویٰ کی بنا پر ان تمام مخلوقات کی حالت یہ ہوتی جو ان آیات میں ذکر کی گئی ہے۔ جب کہ حال یہ ہے ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کے یہ لائق نہیں ہے اور نہ یہ ہو ہی سکتا ہے ﴿اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ ''کہ وہ اولاد بنائے۔'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے لئے بیٹا بنانا اس میں نقص اور احتیاج پر دلالت کرتا ہے جب کہ وہ بے نیاز اور حمید ہے' نیز بیٹا اپنے باپ کی جنس سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی شبیہ ہے نہ مثیل اور نہ اس کی نظیر ہے۔

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ ''آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں' وہ سب رحمٰن کے غلام بن کر آنے والے ہیں۔'' یعنی ذلیل اور مطیع ہو کر بغیر کسی نافرمانی کے رحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوں گے' فرشتے' جن وانس سب اللہ کے مملوک اور اس کے دست تصرف کے تحت ہیں' اقتدار میں ان کا کوئی حصہ ہے نہ تدبیر کائنات میں ان کا کوئی اختیار ہے...... جب اس کی شان اور اس کے اقتدار کی عظمت یہ ہو' تب اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴾ اس کا علم زمین اور آسمانوں کی تمام خلائق کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے اعمال کو شمار کر رکھا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے نہ بھولتا ہے اور کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ﴿ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ ''ہر ایک اس کے پاس قیامت کے دن اکیلا ہی آئے گا۔'' یعنی اولاد مال و دولت اور اعوان و انصار اس کے ساتھ نہ ہوں گے۔ اس کے ساتھ اس کے عمل کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے اعمال کا بدلہ دے گا اور اس سے پورا پورا حساب لے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر اعمال برے ہوں گے تو ان کی جزا بھی بری ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الانعام: ٦/ ٩٤) ''تم اسی طرح ہمارے پاس تن تنہا آئے ہو جس طرح پہلی مرتبہ ہم نے تمہیں اکیلا پیدا کیا تھا۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے نیک، عنقریب پیدا کر دے گا ان کے لیے رحمٰن محبت ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے ان بندوں پر انعام ہے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو جمع کیا...... کہ وہ ان کے لئے اپنے اولیاء اور زمین و آسمان کے رہنے والوں کے دلوں میں محبت اور مودت ڈال دیتا ہے۔ جب ان کے بارے میں دلوں میں محبت ہو جاتی ہے تو ان کے اکثر معاملات ان کے لیے آسان ہو جاتے ہیں اور ان کو بھلائی، دعائیں، راہنمائی اور امامت حاصل ہو جاتی ہے اس لئے ایک صحیح حدیث میں وارد ہے ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر، پھر جبریل آسمان والوں کو پکار کر کہتا ہے کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، اس لئے تم بھی اسے محبوب رکھو، آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں میں اسے قبولیت عطا کی جاتی ہے۔''① اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین و آسمان کے رہنے والوں کے دلوں میں محبت اس لئے پیدا کی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور محبوب لوگوں کے نزدیک ان کو محبوب بنا دیا۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾

پس یقیناً آسان کر دیا ہے ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں تاکہ آپ خوش خبری دیں اسکے ساتھ پرہیزگاروں کو اور ڈرائیں اسکے ساتھ جھگڑالو قوم کو ○

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع

اور کتنی ہی ہلاک کر دیں ہم نے پہلے ان سے قومیں، کیا آپ محسوس کرتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو (آنکھ یا ہاتھ سے)؟ یا آپ سنتے ہیں انکی کوئی بھنک بھی؟ ○

---

① صحیح البخاری' الادب' باب المقة من الله تعالیٰ' ح: ٦٠٤٠ و صحیح مسلم' البر و الصلة' باب اذا احب الله عبدا......' ح: ٢٦٣٧

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس پر اس قرآن کریم کو آسان کیا۔ اس کے الفاظ ومعانی کو عام فہم بنایا تاکہ مقصد حاصل ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ﴾ تاکہ آپ دنیاوی اور اخروی ثواب کی ترغیب کے ذریعے سے متقین کو بشارت دیں اور ان اسباب کا ذکر کریں جو بشارت کے موجب ہیں۔ ﴿وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُدًّا﴾ تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے باطل میں نہایت سخت اور اپنے کفر میں نہایت قوی ہیں۔ اس طرح ان پر حجت قائم ہو گی اور ان کے سامنے صراط مستقیم واضح ہو جائے گی۔ تب جو کوئی ہلاک ہو گا تو دلیل کی بنیاد پر ہلاک ہو گا اور جو کوئی زندہ رہے گا تو دلیل کی طاقت سے زندہ رہے گا۔

پھر ان کو پہلے لوگوں کی، جنہوں نے انبیاء و مرسلین کو جھٹلایا، ہلاکت کا ذکر کر کے ڈرایا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ ''ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا۔'' یعنی قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ جو انبیا کے ساتھ عناد رکھتے اور ان کی تکذیب کرتے تھے۔ جب وہ اپنی سرکشی میں جمے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر ڈالا اور ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ یہاں (رکز) سے مراد خفیہ آواز ہے یعنی ان لوگوں کے آثار تک باقی نہ رہے۔ بس ان کے قصے باقی رہ گئے جو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت ہیں اور ان کی کہانیاں باقی رہ گئیں جو نصیحت کے متلاشی لوگوں کے لئے نصیحت ہیں۔

## تفسیر سُوْرَةُ طٰهٰ

سُوْرَةُ طٰهٰ (٢٠) مَكِّيَّةٌ (٤٥) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ١٣٥ رُكُوْعَاتُهَا ٨

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

طٰهٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ② اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ③ تَنْزِيْلًا

طٰہٰ ○ نہیں نازل کیا ہم نے آپ پر قرآن اسلئے کہ آپ مشقت میں پڑیں ○ مگر نصیحت کیلئے واسطے اس شخص کے جو ڈرتا ہے ○ نازل کیا گیا ہے

مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ④ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ⑤ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اس ذات کیطرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو ○ (وہ) رحمٰن ہے، اوپر عرش کے مستوی ہے ○ اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ⑥ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ

اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ہے درمیان ان دونوں کے اور جو کچھ ہے نیچے نمناک زمین کے ○ اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بلاشبہ وہ جانتا ہے

السِّرَّ وَ اَخْفٰى ⑦ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ⑧

پوشیدہ اور پوشیدہ تر بات کو ○ اللہ، نہیں ہے کوئی بھی معبود مگر وہی، اسی کے ہیں سب نام اچھے ○

﴿طٰهٰ﴾ اس کا شمار منجملہ حروف مقطعات سے ہے جن کے ساتھ بہت سی سورتوں کی ابتداء ہوتی ہے اور

واضح رہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی نہیں ہے۔ ﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی﴾ ’’نہیں اتارا ہم نے آپ پر قرآن اس لیے کہ آپ مشقت میں پڑیں۔‘‘ یعنی آپ کی طرف وحی بھیجنے‘ قرآن نازل کرنے اور آپ کو شریعت عطا کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ آپ کسی سختی میں مبتلا ہوں‘ (ایسا نہیں کہ) شریعت میں کوئی تکلیف ہو جو مکلفین پر شاق گزرے اور عمل کرنے والوں کے قویٰ اس پر عمل کرنے سے عاجز ہو جائیں۔ وحی‘ قرآن اور شریعت کو تو رحیم و رحمان نے نازل کیا ہے اور اسے سعادت اور فوز و فلاح کا راستہ قرار دیا‘ اسے انتہائی سہل رکھا‘ اس کے تمام راستوں اور دروازوں کو آسان بنایا اور اسے قلب و روح کی غذا اور بدن کی راحت قرار دیا۔ فطرت سلیم اور عقل مستقیم نے اسے قبول کر کے اس کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا کیونکہ فطرت سلیم اور عقل مستقیم کو علم ہے کہ یہ دنیا و آخرت کی بھلائی پر مشتمل ہے اس لئے فرمایا: ﴿اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی﴾ یہ اس لیے نازل کیا تا کہ اس سے وہ شخص نصیحت پکڑے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ پس وہ جلیل ترین مقاصد کی خاطر اس کے اندر دی گئی ترغیب سے نصیحت پکڑتا اور اس کی وجہ سے اس پر عمل کرتا ہے اور اس کے اندر شقاوت و خسران سے جو ڈرایا گیا ہے‘ اس سے ڈرتا اور شریعت کے احکام جمیلہ سے نصیحت پکڑتا ہے جن کا حسن و جمال‘ مجمل طور پر عقل میں جاگزیں ہے اور وہ ان تفاصیل کے مطابق ہیں جو اس کی عقل و فطرت میں موجود ہیں‘ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو (تذکرہ) کہا ہے۔

کسی چیز کا ’’تذکرہ‘‘ موجود ہوتا ہے البتہ انسان خود اس سے غافل ہوتا ہے یا اس کی تفاصیل مستحضر نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ’’تذکرہ‘‘ (یاددہانی) کو اس شخص کے ساتھ مختص کیا ہے ﴿لِّمَنْ یَّخْشٰی﴾ ’’جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے‘‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے والا شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور وہ شخص فائدہ اٹھا بھی کیسے سکتا ہے جو جنت پر ایمان رکھتا ہے نہ جہنم پر اور اس کے قلب میں ذرہ بھر بھی خوف الٰہی موجود نہیں؟ یہ ایسی بات ہے جو کبھی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ○ وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ○ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰی﴾ (الاعلی: ۸۷/۱۰۔۱۲) ’’جو اللہ کا خوف رکھتا ہے وہی اس سے نصیحت پکڑتا ہے اور بدبخت (اور بے خوف انسان) اس سے پہلوتہی کرتا ہے‘ وہ جو بہت بڑی دہکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا۔‘‘

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس قرآن عظیم کی جلالت شان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خالق ارض و سماء کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جو تمام کائنات کی تدبیر کرتا ہے...... یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو حد درجہ اطاعت اور محبت و تسلیم کے ساتھ قبول کرو اور انتہائی حد تک اس کی تعظیم کرو۔ اللہ تعالیٰ نے بہت دفعہ (خلق) اور (امر) کو مقرون (ساتھ ساتھ) بیان کیا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بھی ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (الاعراف: ۷/۵٤) ’’آگاہ رہو کہ تخلیق بھی اسی کی اور حکم بھی اسی کا ہے۔‘‘ اور جیسا کہ فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ﴾

(الطلاق: ٦٥/١٢) ”اللہ ہی تو ہے جس نے ساتوں آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی (سات) زمینیں‘ ان میں امر الٰہی نازل ہوتا ہے۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق کائنات‘ حکم دینے والا اور روکنے والا ہے۔ پس جس طرح اس کے سوا کوئی خالق نہیں‘ اسی طرح مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لازم کرنے والا نہیں۔ ان کے خالق کے سوا کوئی حکم دے سکتا ہے نہ روک سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس کے خلق میں اس کی تدبیر کونی وقدری جاری وساری ہے اور اس کے امر میں دینی وشرعی تدبیر کارفرما ہے۔ پس جیسے اس کی تخلیق اس کی حکمت کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی‘ اس نے کوئی چیز عبث پیدا نہیں کی۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جو عدل واحسان پر مبنی ہو اور صرف عدل و احسان اور حکمت کے تقاضے کے مطابق ہی کسی چیز سے روکتا ہے۔ جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا خالق اور مدبر ہے‘ وہی حکم دینے والا اور روکنے والا ہے تو اس نے اپنی عظمت اور کبریائی کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”رحمٰن عرش پر“ جو تمام کائنات سے بلند‘ تمام کائنات سے بڑا اور تمام کائنات سے وسیع ہے ﴿اسْتَوٰى﴾ ”مستوی ہے“ یہاں استواء سے مراد وہ استواء ہے جو اس کے جلال کے لائق اور اس کی عظمت وجمال سے مناسبت رکھتا ہے۔ پس وہ عرش پر مستوی اور کائنات پر حاوی ہے۔

﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ ”اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے۔“ تمام ملائکہ‘ جن وانس‘ حیوانات‘ جمادات اور نباتات۔ ﴿وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾ ”اور جو کچھ سطح زمین کے نیچے ہے“ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور تمام لوگ اس کے بندے ہیں جو اس کے دست تدبیر اور اس کی قضاوقدر کے تحت مسخر ہیں۔ اقتدار الٰہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور وہ خود اپنی ذات کے لیے کسی نفع ونقصان‘ موت وحیات اور دوبارہ اٹھائے جانے پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ﴾ ”اور اگر آپ اونچی بات کہیں تو وہ تو جانتا ہے سری بات کو بھی“ یعنی پوشیدہ کلام کو ﴿وَاَخْفٰى﴾ ”اور سری سے بھی زیادہ مخفی بات کو۔“ یعنی خفی سے خفی تر بات‘ جو انسان کے دل میں ہوتی ہے اور ابھی نطق زبان پر نہیں آئی ہوتی۔ یا (السّرّ) سے مراد وہ خیال ہے جو انسان کے دل میں آتا ہے اور (اَخْفٰی) سے مراد وہ خیال ہے جسے ابھی دل میں آنا ہے اور ابھی تک نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کب وہ خیال اپنے وقت پر اپنی صفت کے ساتھ دل میں داخل ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ علم الٰہی‘ چھوٹی بڑی اور ظاہر وباطن تمام اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہے‘ اس لیے آپ بلند آواز سے بولیں یا آہستہ آواز سے‘ علم الٰہی کی نسبت سے سب برابر ہے۔

جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ وہ کمالِ مطلق کا مالک ہے‘ اپنی تخلیق کے عموم کی وجہ‘ اپنے امرونہی اور اپنی رحمت کے عموم کی وجہ سے‘ اپنی عظمت کی وسعت اور اپنے عرش پر بلند ہونے کی وجہ سے اور اپنی بادشاہی اور اپنے علم کے

عموم کی وجہ سے' تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اسی کی عبادت حق ہے جس کو شریعت اور عقل و فطرت واجب ٹھہراتی ہے اور غیر اللہ کی عبادت باطل ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ یعنی کوئی معبود حق ہے نہ کوئی قابل عبادت جس کے سامنے محبت' تذلل' خوف' امید اور انابت کا اظہار کیا جائے اور اس کو پکارا جائے مگر صرف اللہ ہی۔ ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ ''اسی کے لیے ہیں اچھے نام'' یعنی اس کے بہت سے نام ہیں جو بہت اچھے ہیں۔ اس کے ناموں کا حسن یہ ہے کہ وہ نام تمام تر مدح پر دلالت کرتے ہیں۔ ان ناموں میں سے کوئی نام ایسا نہیں جو مدح و حمد پر دلالت نہ کرتا ہو۔ ان ناموں کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ محض اَعلام (نام) نہیں بلکہ وہ نام اور اوصاف ہیں۔ ان کا حسن یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کامل صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کامل' عام اور جلیل ترین ہے اور ان کا حسن یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسے ان ناموں سے پکاریں کیونکہ یہ ایک وسیلہ ہیں جو بندوں کو اللہ کے قریب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ناموں کو پسند کرتا ہے اور ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو ان ناموں کو پسند کرتے ہیں اور جو انہیں یاد کرتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جو ان کے معانی کی تحقیق کرتے ہیں اور ان ناموں کے ذریعے سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ۱۸۰/۷) ''اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں اسے انہی ناموں سے پکارو۔''

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ⑨ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

وقف لازم

اور کیا آئی ہے آپکے پاس بات موسیٰ کی؟○ جب اس نے دیکھی آگ تو کہا اپنے گھر والوں سے، ٹھہرو تم، بلاشبہ میں نے دیکھی ہے آگ،

لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩ فَلَمَّآ اَتٰىهَا

تاکہ میں لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے کوئی انگارا، یا میں پاؤں آگ کے پاس راستہ بتلانے والا○ پس جب وہ آیا اس آگ کے پاس

نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۗ⑪ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۗ⑫

تو آواز دیا گیا' اے موسیٰ!○ بے شک میں تیرا رب ہوں، سو تو اتار دے اپنی جوتیاں' بلاشبہ تو وادیٔ مقدس طُویٰ میں ہے○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفی ﷺ سے استفہام تقریری کے طور پر اور اس قصۂ مذکورہ کی تعظیم اور عظمت کی خاطر' فرماتا ہے: ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ ''کیا آپ کے پاس موسیٰ کی بات آئی؟'' یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام کی اس حالت کا قصہ' جو ان کی سعادت کی بنیاد اور ان کی نبوت کی ابتدا تھی کہ انہیں بہت دور سے آگ نظر آئی اور وہ راستے سے بھٹک گئے تھے اور سردی محسوس کر رہے تھے اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے وہ اپنے سفر میں گرمی حاصل کر سکیں۔ ﴿فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ ''تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا' ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے'' اور یہ آگ کوہ طور کے دائیں جانب تھی۔ ﴿لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ﴾

”شاید میں تمہارے پاس اس میں سے ایک انگارا لاؤں۔“ تاکہ تم اس سے آگ تاپ سکو ﴿اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ یا اس آگ کے پاس مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو مجھے راستہ بتا دے۔ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود تو حسی روشنی اور حسی ہدایت تھا۔ مگر انہوں نے وہاں معنوی نور یعنی نور وحی پا لیا۔ جس سے قلوب و ارواح روشن ہوتے ہیں اور انہیں حقیقی ہدایت یعنی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی حاصل ہوئی جو نعمتوں بھری جنت کو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسی چیز سے بہرہ ور ہوئے جو ان کے کسی حساب اور خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا﴾ یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے جو انہوں نے دور سے دیکھی تھی...... جو درحقیقت نور تھا اور وہ ایسی آگ ہے جو جلا ڈالتی ہے اور روشنی دیتی ہے اس حقیقت پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ((حِجَابُهُ النُّورُ - وَفِي رِوَايَةٍ: النَّارُ - لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ)) ① ”اس کا حجاب نور ہے۔ ایک روایت میں ہے: آگ۔ اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کا جلال حد نگاہ تک ہر چیز کو بھسم کر ڈالے۔“ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو اس میں سے آواز آئی یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ (مریم: ۱۹/۵۲) ”ہم نے اسے کوہ طور کی دائیں جانب سے پکارا اور سرگوشی کرنے کے لئے اس کو قریب کیا۔“

﴿اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مناجات کے لئے تیار اور اس کا اہتمام کر لیں اور اپنے جوتے اتار دیں کیونکہ وہ مقدس' پاک اور قابل تعظیم وادی میں ہیں۔ اگر وادی کی تقدیس کے لیے کوئی اور چیز نہ ہوتی تب بھی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو مناجات کے لئے چن لینا ہی کافی تھا۔ بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا اس لئے حکم دیا تھا کیونکہ وہ گدھے کی کھال سے بنے ہوئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

## وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾

اور میں نے تجھے پسند کر لیا ہے' پس تو غور سے سن اسکو جو وحی کی جاتی ہے○

﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ یعنی میں نے لوگوں میں سے تجھے چن لیا ہے۔ یہ سب سے بڑی نعمت اور احسان ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نوازا جو اس شکر کا تقاضا کرتی ہے جو اس کے لائق ہے' اس لئے فرمایا ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ یعنی اس وحی کو غور سے سن جو تیری طرف کی جا رہی ہے' وہ اس کی مستحق ہے کہ اس کو غور سے سنا جائے کیونکہ یہ دین کی اساس اور دعوت اسلامی کا ستون ہے۔

---

① صحیح مسلم' الإیمان' باب فی قولہ ﷺ (إن اللہ لا ینام)......' ح:۱۷۹

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ⑭

بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، نہیں کوئی معبود (برحق) مگر میں ہی، سو تو عبادت کر میری ہی، اور قائم کر نماز میرے ذکر کے لیے ○

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس وحی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ﴾ ”بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔“ یعنی اللہ ہی ہے جو الوہیت کا مستحق اور اس سے متصف ہے کیونکہ وہ اسماء وصفات میں کامل اور اپنے افعال میں منفرد ہے، جس کا کوئی شریک ہے نہ مثیل اور جس کا کوئی ہمسر ہے نہ برابری کرنے والا۔

﴿ فَاعْبُدْنِیْ ﴾ ”پس میری ہی عبادت کر۔“ عبادت کی ظاہری اور باطنی، اصولی اور فروعی تمام انواع کے ذریعے سے۔ پھر نماز کا بطور خاص ذکر فرمایا، حالانکہ نماز عبادت میں داخل ہے۔ اس کی ایک وجہ نماز کا شرف وفضل ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جو دل، زبان اور اعضاء کی عبادت کو متضمن ہے۔

﴿ لِذِكْرِیْ ﴾ یہاں لام تعلیل کے لئے ہے، یعنی میرے ذکر کی خاطر نماز قائم کر کیونکہ ذکر الٰہی جلیل ترین مقصد ہے، علاوہ ازیں یہ عبودیت قلب کو متضمن ہے اور اسی پر انسان کی سعادت کا دارومدار ہے۔ پس ذکر الٰہی سے خالی دل، ہر بھلائی سے محروم ہو کر پوری طرح برباد ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مختلف انواع کی عبادات مشروع فرمائی ہیں، خاص طور پر نماز، تو ان عبادات کا مقصد صرف ذکر الٰہی کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ (العنکبوت: ۲۹/ ۴۵) ”اس کتاب کی تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کیجیے بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور ذکر الٰہی اس سے بھی بڑی چیز ہے۔“ یعنی نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کا جو ذکر ہے، وہ نماز کے فحش اور برے کاموں سے روکنے سے، زیادہ بڑی چیز ہے۔ عبادت کی اس نوع کو توحید الوہیت اور توحید عبادت کہا جاتا ہے۔ الوہیت اللہ تعالیٰ کا وصف ہے اور عبودیت بندے کا وصف ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ⑮

بلاشبہ قیامت آنے والی ہے، قریب ہے کہ چھپاؤں میں اس کو تاکہ بدلہ دیا جائے ہر جان کو، اس کا جو وہ کوشش کرتا ہے ○

﴿ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ ﴾ یعنی قیامت کی گھڑی کا واقع ہونا لازمی امر ہے۔ ﴿ اَكَادُ اُخْفِیْهَا ﴾ یعنی قیامت کی گھڑی خود آپ ﷺ سے چھپی ہوئی ہے، جیسا کہ بعض قراءت میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے: ﴿ یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۶۳) ”آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ (لقمٰن: ۳۱/ ۳۴) ”قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو تمام مخلوقات سے چھپا رکھا

ہے قیامت کے بارے میں کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی نبی مرسل۔

اور قیامت کے آنے کی حکمت یہ ہے کہ ﴿لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى﴾ ہر شخص نے جو بھلے یا برے اعمال میں بھاگ دوڑ کی ہے اس کو ان کی جزا دی جائے کیونکہ قیامت دار الجزا کا دروازہ ہے۔ ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى﴾ (النجم: ۳۱/۵۳) ''تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے نیک کام کیے ان کو اچھا بدلہ دے۔''

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯

پس نہ روکے تجھ کو اس سے وہ شخص جو نہیں ایمان لاتا ساتھ اسکے، اور پیروی کی اس نے اپنی خواہش کی پس تو (بھی) ہلاک ہو جائے ○

وہ شخص، جو قیامت کا انکار کرتا ہے اور اس کے واقع ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا وہ آپ (ﷺ) کو قیامت اور جزا و سزا پر ایمان لانے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے روک نہ دے۔ وہ اس بارے میں شک کرتا ہے اور شک پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس بارے میں باطل دلائل کے ذریعے سے بحث کرتا ہے، خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے، مقدور بھر قیامت کے بارے میں شبہات پیدا کرتا ہے، اس کا مقصد حق تک پہنچنا نہیں بلکہ اس کا مقصد صرف خواہشات نفس کی پیروی ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو اس کی بات پر کان دھرنے اور اس کے اقوال و افعال کو، جو قیامت پر ایمان لانے سے روکتے ہیں، قبول کرنے سے بچیے۔

جس شخص کا یہ حال ہے اس سے بچنے کا اللہ تعالیٰ نے صرف اس لیے حکم دیا ہے کہ وہ ایسا شخص ہے جس کا دجل اور اس کی وسوسہ اندازی مومن کے لیے سب سے زیادہ ڈرنے کی چیز ہے اور نفوس انسانی کی فطرت ہے کہ وہ اپنے ابنائے جنس کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس میں تنبیہ اور اشارہ ہے کہ ہر اس شخص سے بچا جائے جو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے، ایمان واجب یا اس کی تکمیل سے روکتا ہے اور قلب میں شبہات پیدا کرتا ہے، نیز ان تمام کتابوں سے بچا جائے جو باطل نظریات پر مشتمل ہیں۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، آخرت پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ تینوں امور ایمان کی اساس اور دین کا ستون ہیں۔ اگر یہ امور کامل ہیں تو دین بھی کامل ہے اور ان امور کے فقدان یا ان کے ناقص رہنے سے دین بھی ناقص رہ جاتا ہے۔ اس کی نظیر اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ ارشاد ہے جس میں ان گروہوں کی سعادت اور شقاوت کی میزان کے بارے میں خبر دی گئی ہے، جن کو کتاب عطا کی گئی تھی۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (المائدۃ: ۶۹/۵) ''بے شک جو لوگ ایمان لائے یا یہودی ہوئے یا صابی یا عیسائی، جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل بھی کرے گا، ان کے لیے کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' ارشاد فرمایا: ﴿فَتَرْدٰى﴾ یعنی اگر آپ

اس شخص کے راستے پر گامزن ہوئے جو مذکورہ امور سے روکتا ہے تو آپ ہلاک ہو کر بدبختی کا شکار ہو جائیں گے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى (۱۷) قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي
اور کیا ہے یہ تیرے دائیں ہاتھ میں اے موسیٰ؟ ○ موسیٰ نے کہا یہ میرا عصا ہے، ٹیک لگاتا ہوں میں اس پر، اور پتے جھاڑتا ہوں اسکے ساتھ اپنی بکریوں پر،
وَلِيَ فِيهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى (۱۸) قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوسٰى (۱۹) فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ
اور میرے لیے اس میں مقاصد ہیں اور بھی ○ اللہ نے فرمایا، ڈال دے اسے، اے موسیٰ! ○ پس جب اس نے ڈالا اسے تو ناگہاں وہ
حَيَّةٌ تَسْعٰى (۲۰) قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْاُولٰى (۲۱) وَاضْمُمْ
سانپ تھا دوڑتا ہوا ○ فرمایا، پکڑ لے اسے اور مت ڈر تو، ابھی ہم لوٹا دیں گے اسے اس کی پہلی ہی حالت پر ○ اور ملا
يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى (۲۲)
اپنا ہاتھ ساتھ اپنی بغل کے، نکلے گا وہ چمکتا ہوا بغیر کسی بیماری کے، یہ نشانی ہے دوسری ○
لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى (۲۳)
تاکہ ہم دکھائیں تجھے کچھ اپنی نشانیاں بڑی بڑی ○

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اساس ایمان کا ذکر کیا تو ارادہ فرمایا کہ وہ ان کے سامنے اساس ایمان کو اچھی طرح واضح کر دے اور انہیں اپنی نشانیاں دکھائے جن سے ان کا دل مطمئن اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی تائید سے ان کے ایمان کو تقویت حاصل ہو، اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى﴾ ''اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کے باوجود تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر زیادہ اہتمام کی بنا پر استفہام کے اسلوب میں کلام فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا: ﴿هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي﴾ ''یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔'' اس میں اللہ تعالیٰ نے دو فوائد ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) آدمی کے لئے فائدہ، وہ چلنے پھرنے اور کھڑے ہونے میں اس کا سہارا لیتا ہے اور اسے اس سے مدد حاصل ہوتی ہے۔

(۲) بہائم کے لئے فائدہ، آدمی اس کے ذریعے سے اپنی بھیڑ بکریوں کو چراتا ہے۔ جب وہ اپنے مویشیوں کو درختوں کے پاس چراتا ہے تو اس سے درختوں کے پتے جھاڑتا ہے، یعنی یہ عصا درخت پر مارتا ہے تاکہ پتے جھڑیں اور ان کو بکریاں چر لیں۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حسن خلق ہے جس کے آثار یہ ہیں کہ وہ بہائم و حیوانات کے ساتھ بھی اچھا سلوک

کرتے تھے اور ان کے ساتھ حسن رعایت سے پیش آتے تھے' نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں چن کر اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حکمت اس تخصیص کا تقاضا کرتی تھی۔ ﴿ وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴾ ''اور میرے لیے اس میں دوسرے مقاصد بھی ہیں۔'' یعنی ان مذکورہ دو مقاصد کے علاوہ' دیگر مقاصد۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا ادب تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا کہ ان کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے...... یہ سوال عصا کے عین کے بارے میں ہے یا اس کی منفعت کے بارے میں' اس میں دونوں احتمالات ہیں...... موسیٰ علیہ السلام نے اس کے عین اور منفعت' یعنی دونوں احتمالات کے مطابق جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: ﴿ أَلْقِهَا يَٰمُوسَىٰ ۝ فَأَلْقَىٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴾ ''اے موسیٰ! اسے زمین پر ڈال دے' تو انہوں نے ڈال دیا' پس وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔'' اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ عصا ایک بہت بڑے سانپ میں تبدیل ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام خوف کھا کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس سانپ کا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ حرکت کرتا تھا یہ ایک وہم کے ازالے کے لئے تھا جو ممکن تھا کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ سب تخیل کی کارفرمائی ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ پس اس کے حرکت کرنے نے اس وہم کا ازالہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ﴾ ''اسے پکڑ لے اور مت ڈر'' یعنی اس سے تجھ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ ﴿ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا ٱلْأُولَىٰ ﴾ یعنی ہم اسے اس کی اصلی ہیئت اور صفت کی طرف لوٹا دیں گے جو عصا کی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایمان اور تسلیم و رضا سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور سانپ کو پکڑ لیا اور سانپ اسی جانے پہچانے عصا میں تبدیل ہو گیا۔ یہ (پہلا) معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے معجزے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَٱضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ ﴾ یعنی اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال اور اپنے بازو کو اپنے ساتھ لگا لے جو انسان کے پَر ہیں۔ ﴿ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ ﴾ یعنی بغیر کسی عیب اور برص وغیرہ کے' سفید' چمکتا ہوا نکلے گا۔ ﴿ ءَايَةً أُخْرَىٰ ﴾ یہ دوسرا معجزہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَذَٰنِكَ بُرْهَٰنَانِ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهِۦٓ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ﴾ (القصص: ۲۸/ ۳۲) ''تیرے رب کی طرف سے یہ دو معجزے ہیں' فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف' وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔''

﴿ لِنُرِيَكَ مِنْ ءَايَٰتِنَا ٱلْكُبْرَى ﴾ یہ مذکور افعال...... یعنی عصا کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا دیکھنے والوں کے لئے سفید چمکدار ہو جانا...... صرف اس لئے سرانجام دیئے ہیں تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کروائیں' جو تیری رسالت کی صحت اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کی حقیقت پر دلالت کرتی ہیں اور یوں تجھ کو اطمینان قلب حاصل ہو گا' تیرے علم میں اضافہ ہو گا اور تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نصرت کے وعدے پر بھروسہ کرے گا' نیز یہ نشانیاں ان لوگوں کے سامنے حجت اور دلیل ہوں گی جن کی طرف تجھ کو مبعوث کیا جا رہا ہے۔

ع ۱ ۲۴ ۱۰

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِىْٓ
تو جا فرعون کی طرف، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے ○ موسیٰ نے کہا، اے رب! کھول دے میرے لیے میرا سینہ ○ اور آسان کر دے میرے لیے
اَمْرِىْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّىْ وَزِيْرًا
میرا کام ○ اور کھول دے گرہ میری زبان کی ○ (تاکہ) وہ سمجھیں میری بات ○ اور بنا دے میرے لئے وزیر
مِّنْ اَهْلِىْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِى ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِىْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِىْٓ اَمْرِىْ ﴿۳۲﴾
میرے اہل سے ○ (یعنی) ہارون میرے بھائی کو ○ مضبوط کر تو ساتھ اسکے میری کمر ○ اور شریک کرا سے میرے کام (نبوت) میں ○
كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾
تاکہ ہم تسبیح بیان کریں تیری بہت ○ اور (تاکہ) ہم یاد کریں تجھے کثرت سے ○ بلاشبہ تو ہے ہمیں خوب دیکھنے والا ○
قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾
اللہ نے کہا تحقیق دیدیا گیا تو اپنا سوال اے موسیٰ! ○

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کر کے انہیں نبوت عطا کر دی اور انہیں بڑے بڑے معجزات کا مشاہدہ کروادیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف مبعوث کیا اور فرمایا: ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ’’فرعون کی طرف جا، وہ سرکش ہو گیا ہے۔‘‘ یعنی وہ اپنے کفر و فساد میں، زمین میں تغلب اور کمزوروں پر ظلم کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے حتیٰ کہ اس نے ربوبیت اور الوہیت کا دعویٰ کر دیا...... قَبَّحَهُ اللّٰه...... یعنی اس کی سرکشی اس کی ہلاکت کا سبب ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت، اس کی حکمت اور اس کا عدل ہے کہ وہ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک کہ انبیاء و مرسلین کے ذریعے سے اس پر حجت قائم نہیں کر دیتا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ انہوں نے بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا لیا ہے اور انہیں ایک جابر اور سرکش انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، جس کا مصر میں مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں جب کہ موسیٰ علیہ السلام تن تنہا ہیں، علاوہ ازیں ان سے ایک قتل بھی سرزد ہو چکا تھا، لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور انشراح صدر کے ساتھ اس کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ سے مدد اور اسباب کی فراہمی کا سوال کیا جن کی بنا پر دعوت کی تکمیل ہوتی ہے، چنانچہ عرض کیا: ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ﴾ یعنی اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے اور اسے وسعت عطا کر تاکہ میں قولی اور فعلی اذیتیں برداشت کر سکوں اور میرا قلب تکدر کا شکار نہ ہو اور میرا سینہ تنگ نہ ہو کیونکہ انسان کا سینہ جب تنگ ہوتا ہے تو وہ مخلوق کی ہدایت اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا اہل نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران: ۱۵۹/۳) ’’یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لئے بہت

نرم دل ہیں اگر آپ تند خو سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے ارد گرد سے چھٹ جاتے۔" لوگ (داعی کی) نرم خوئی، کشادہ دلی اور ان کے بارے میں اس سے انشراح صدر کی بنا پر قبول حق کے قریب آتے ہیں۔

﴿ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴾ یعنی میرے لئے میرا ہر معاملہ اور اپنے راستے میں میری ہر منزل کو آسان کر دے، میرے سامنے جو مشکلات اور سختیاں ہیں ان کو نرم کر دے۔ معاملے کو آسان کرنا یہ ہے کہ داعی نہایت آسانی کے ساتھ تمام معاملات کو ان کے اپنے اپنے دائرے میں نمٹا سکے۔ ہر شخص سے اس کے مزاج کی مناسبت سے مخاطب ہو اور اسے اس طریقے سے دعوت دے جو قبول حق کے قریب تر ہو۔

﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴾ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ثقل تھا جس کی وجہ سے ان کی بات مشکل سے سمجھ میں آتی تھی۔ جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا: ﴿ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا ﴾ (القصص: ۲۸/۳۴) "اور میرا بھائی ہارون، مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ ان کی بات کو سمجھ سکیں اور خطاب اور معانی کے بیان کا مقصد پورا ہو سکے۔

﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴾ یعنی میرے گھر والوں میں سے میرا مددگار بنا دے جو میری مدد کرے، جو میرا میرا بوجھ بٹائے اور جن لوگوں کی طرف مجھے رسول بنا کر بھیجا جا رہا ہے ان کے مقابلے میں مجھے تقویت دے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کی کہ یہ مددگار ان کے گھر والوں میں سے ہو اس لیے کہ یہ صلہ رحمی کا ایک طریقہ ہے۔ انسان کی نیکی کا سب سے زیادہ مستحق اس کا رشتہ دار ہوتا ہے، پھر اپنی دعا میں اس مددگار کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴾ یعنی مجھے میرے بھائی کے ذریعے قوت عطا کر، اور میری کمر کو مضبوط کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا ﴾ (القصص: ۲۸/۳۵) "ہم آپ کے بھائی کے ذریعے سے آپ کے ہاتھ مضبوط کریں گے اور آپ دونوں کو غلبہ دیں گے۔" ﴿ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴾ نبوت میں اسے میرا شریک بنا دے۔ یعنی اسے بھی نبی اور رسول بنا دے جس طرح مجھے بنایا ہے۔

پھر اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴾ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ تمام عبادات اور دین کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے ساتھ ان کے بھائی کو بھی نبوت عطا کر دے، وہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر یعنی تسبیح و تہلیل اور عبادات کی دیگر انواع میں اضافہ ہو گا۔ ﴿ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴾ اے اللہ! تو ہمارے حال، ہماری کمزوری اور ہمارے عجز کو جانتا ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم ہر معاملے میں تیرے محتاج ہیں، تو ہمیں ہم سے زیادہ دیکھتا ہے اور ہم پر ہم سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ پس ہم نے تجھ سے جو سوال کیا ہے وہ ہمیں

عطا کر کے ہمیں ممنون فرما اور ہماری دعا قبول فرما۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی﴾ اے موسیٰ! جو کچھ تو نے مانگا ہے تجھ کو عطا کیا جاتا ہے، ہم تجھ کو انشراح صدر عطا کر دیں گے، تیرے معاملے کو آسان کر دیں گے، تیری زبان کی گرہ کھول دیں گے، لوگ تیری بات کو سمجھیں گے اور ہم تیرے بھائی ہارون کے ذریعے سے تیرے ہاتھ مضبوط کر دیں گے ﴿وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا بِاٰیٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ (القصص:٢٨/٣٥)
”ہم تم دونوں کو غلبہ دیں گے اور وہ ہماری نشانیوں کے سبب سے تم دونوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، غلبہ تم دونوں اور تمہارے متبعین ہی کا ہو گا۔“

موسیٰ علیہ السلام کا سوال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل تھی، آپ کمال درجے کے ذہین و فطین تھے اور تمام معاملات کی کامل معرفت رکھتے تھے اور کامل خیر خواہی سے بہرہ ور تھے، نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اور مخلوق کی راہنمائی کرنے والا...... خاص طور پر جب اس داعی کے مخاطب اہل عناد، متکبر اور سرکش لوگ ہوں...... کشادہ دلی، اذیتوں پر بردباری اور فصاحت زبان، جس کے ذریعے سے وہ اپنے مقاصد اور ارادوں کی تعبیر پر قادر ہو، محتاج ہوتا ہے بلکہ اس مقام پر فائز شخص کے لئے فصاحت و بلاغت نہایت ضروری ملکہ ہے کیونکہ اسے کثرت سے بحث و تکرار کی ضرورت پیش آتی ہے، علاوہ ازیں یہ بھی اس کی ضرورت ہے کہ وہ حتی المقدور حق کو خوب صورت اور مزین کر کے پیش کرے تا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو اور باطل کی قباحت و شناعت کو اجاگر کرے تا کہ لوگ اس سے متنفر ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ داعی حق اس بات کا بھی محتاج ہے کہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا ہو اور وہ اس کے لئے درست طریق کار اختیار کرے۔ حکمت، اچھی نصیحت اور بہترین طریق گفتگو کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دے اور لوگوں کے ساتھ ان کے حسب حال معاملہ کرے اور ان سب باتوں کی تکمیل یہ ہے کہ جو شخص یہ وصف رکھتا ہو اس کے کچھ اعوان و مددگار ہوں جو اس کے مقصد کے حصول میں اس کی مدد کریں کیونکہ جب آوازیں زیادہ ہوں گی تو وہ زیادہ اثر انداز ہوں گی، اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان امور کا سوال کیا تھا جو انہیں عطا کر دیئے گئے۔

اگر آپ انبیاء کی حالت پر غور کریں گے، جن کو مخلوق کی طرف بھیجا گیا، تو ان کے احوال کے مطابق ان کو اسی حال میں پائیں گے۔ خاص طور پر افضل الانبیاء خاتم المرسلین جناب محمد ﷺ کو جو ہر صفت کمال میں بلند ترین درجے پر فائز تھے۔ آپ ﷺ کو جس طرح شرح صدر، تیسیر امر، فصاحت زبان، حسن تعبیر و بیان اور حق کی راہ میں اعوان و انصار یعنی صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آنے والوں سے نوازا گیا، دوسرے انبیاء کو یہ خوبیاں اس انداز

سے میسر نہیں آئیں۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىٓ ﴿٣٧﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾

اور البتہ تحقیق احسان کر چکے ہیں ہم تجھ پر ایک مرتبہ اور بھی ○ جب الہام کیا تھا ہم نے تیری ماں کی طرف، وہ جو (اب) وحی کی جاتی ہے ○

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ

یہ کہ ڈال دے تو اس (موسیٰ) کو صندوق میں، پھر ڈال دے اس (صندوق) کو دریا میں، پس لا ڈالے گا اسکو دریا ساحل پر، کہ پکڑے اسکو

عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿٣٩﴾

دشمن میرا اور دشمن اسکا، اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے، اور تاکہ تو پرورش کیا جائے میری آنکھوں کے سامنے ○

اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ

جب چلتی تھی تیری بہن، پس کہتی تھی وہ، کیا رہنمائی کروں میں تمہاری اس شخص پر جو کفالت کرے اسکی؟ پھر لوٹایا ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف تاکہ

تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۬ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ۚ قف

ٹھنڈی ہو آنکھ اس کی، اور نہ غم کھائے وہ، اور قتل کیا تھا تو نے ایک نفس کو پس نجات دی ہم نے تجھے غم سے، اور آزمایا ہم نے تجھے (خوب آزمانا)،

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾

پس ٹھہرا رہا تو کئی سال اہل مدین میں، پھر آیا تو اوپر تقدیر (الٰہی) کے، اے موسیٰ! ○

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ ج

اور خاص کر لیا میں نے تجھے اپنے کام کے لیے ○

وقف لازم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دین، وحی، رسالت اور قبولیت دعا سے نوازا...... اس نعمت کا ذکر فرمایا جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی پرورش اور ان کو ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں منتقل کرتے وقت عطا کی تھی، چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىٓ﴾ ’’اور ہم نے تجھ پر احسان کیا دوسری مرتبہ‘‘ جب ہم نے تیری والدہ کی طرف الہام کیا کہ وہ تجھ کو رضاعت کے وقت، فرعون کے خوف سے، ایک صندوق میں ڈال دے، کیونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنے کا حکم دے رکھا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو چھپا دیا، انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سخت خوف لاحق ہوا چنانچہ انہوں نے آپ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا یعنی دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ وہ اس صندوق کو کنارے پر لگا دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا کہ اس صندوق کو اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا دشمن پکڑ لے اور اس کی اپنی اولاد کے ساتھ تربیت حاصل کرے اور جو کوئی اس کو دیکھے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اسی لئے فرمایا: ﴿ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ﴾ ’’اور میں نے ڈال دی تجھ پر محبت اپنی طرف سے۔‘‘ یعنی جو کوئی آپ کو دیکھتا محبت کرنے لگتا تھا۔ ﴿ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴾ یعنی تاکہ تو میری آنکھوں کے سامنے‘ میری حفاظت میں تربیت حاصل کرے اور رحیم و کریم اللہ کی سرپرستی سے بڑھ کر کس کی کفالت اور دیکھ بھال جلیل القدر اور کامل ہو سکتی ہے‘ جو اپنے بندے کو اس کے مصالح عطا کرنے اور ضرر رساں امور کو اس سے دور کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے؟ پس موسیٰ علیہ السلام ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتے‘ تو اللہ تعالیٰ ہی ان کی مصلحت کے مطابق ان کی تدبیر فرماتا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر ہی تھی کہ جب موسیٰ علیہ السلام دشمن کے قبضے میں چلے گئے تو ان کی والدہ سخت بے چین ہو گئیں اور ان کا دل رنجیدہ ہو گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھید کھول دیتیں۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تمام دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا۔ انہوں نے کسی عورت کی چھاتی کو منہ نہ لگایا تاکہ معاملہ آخرکار ماں تک پہنچے اور ماں ان کو دودھ پلائے‘ بچہ ماں کے پاس رہے اور ماں مطمئن اور پرسکون ہو اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

فرعون کے کارندے دودھ پلانے والیوں کو ایک ایک کرکے بچے کے پاس لائے مگر اس نے کسی کی چھاتی کو قبول نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن آئی اور فرعون اور اسکے کارندوں سے کہنے لگی۔ ﴿ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴾ (القصص:١٢/٢٨) ’’کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کے متعلق نہ بتاؤں جو اسکی کفالت کریں اور اسکی خیر خواہی بھی کریں؟‘‘ چنانچہ اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اسکی ماں کے پاس پہنچا دیا۔

﴿ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْسًا ﴾ ’’پھر ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹایا‘ تاکہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور تو نے ایک جان کو قتل کر دیا۔‘‘ وہ مقتول قبطی تھا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے جب شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔ آپ نے دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں ان میں ایک موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا آدمی تھا اور دوسرا انکی دشمن قوم یعنی قبطیوں سے تعلق رکھتا تھا۔ ﴿ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ﴾ (القصص:١٥/٢٨) ’’جو شخص انکی قوم سے تھا اس نے اس شخص کے خلاف موسیٰ کو مدد کیلئے پکارا جو اسکی دشمن قوم سے تھا‘ موسیٰ نے اسکو ایک گھونسا مارا اور اسکا کام تمام کر دیا۔‘‘ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی‘ اللہ تعالیٰ نے انکو بخش دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ دربار کے لوگ انکو تلاش کر رہے ہیں تاکہ انکو قتل کر دیا جائے تو وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔

﴿ فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ﴾ ’’پس ہم نے تجھ کو نجات دی غم سے‘‘ یعنی گناہ کی سزا اور قتل سے۔ ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ یعنی ہم نے تجھ کو آزمایا اور تجھ کو اپنے تمام احوال میں راست رو پایا‘ یا ہم تجھ کو مختلف احوال و اطوار میں منتقل کرتے رہے یہاں تک کہ تو اپنے اس مقام کو پہنچ گیا جہاں تجھے پہنچنا تھا۔ ﴿ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ﴾ ’’پس تو

اہل مدین میں کئی سال رہا۔" یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں نے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے فرار ہو کر مدین پہنچ گئے اور وہاں انہوں نے نکاح کر لیا اور مدین میں آٹھ یا دس سال رہے۔ ﴿ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى﴾ "پھر تو آیا تقدیر کے مطابق اے موسیٰ!" یعنی تو اس مقام پر اتفاقاً بغیر قصد و ارادہ اور بغیر ہماری تدبیر کے نہیں پہنچا بلکہ ہمارے لطف و کرم اور اندازے سے یہاں پہنچا ہے۔

یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی کامل نظر عنایت تھی۔ بناء بریں فرمایا: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ﴾ "اور میں نے تجھ کو پسند کر لیا اپنی ذات کے لیے۔" یعنی میں نے تجھ پر اپنی نعمتوں کا فیضان کیا اور تجھ کو اپنی خصوصی توجہ اور تربیت سے نوازا تاکہ تو میرا خاص محبوب بندہ بن جائے اور ایسے مقام پر فائز ہو جائے جہاں تک کوئی شاذ و نادر شخص ہی پہنچتا ہے۔ مخلوق میں جب ایک دوست دوسرے دوست کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا دوست اپنے کمال مطلوب میں بلند ترین مقام پر پہنچ جائے تو وہ اس کو اس مقام پہ پہنچانے کے لئے انتہائی کوشش اور جدوجہد کرتا ہے...... جب مخلوق کا یہ حال ہے تو آپ کا رب قادر و کریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہ وہ مخلوق میں سے جس کو اپنا محبوب اور دوست بنانے کے لئے چن لے اس کے ساتھ کیا کرے گا؟

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۚ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں (معجزے) لے کر، اور نہ سستی کرنا تم دونوں میری یاد میں ○ تم دونوں جاؤ فرعون کی طرف، بلاشبہ وہ
طَغٰى ۚ ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا
سرکش ہو گیا ہے ○ پس کہو تم دونوں اس سے بات نرم، شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے ○ ان دونوں نے کہا، اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم تو
نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ
ڈرتے ہیں اس سے کہ وہ زیادتی کرے ہم پر، یا یہ کہ وہ سرکشی کرے ○ اللہ نے کہا، مت ڈرو تم دونوں، بلاشبہ میں
مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾
تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سنتا اور دیکھتا ہوں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دینی اور دنیاوی نعمتوں سے نوازنے کے بعد فرمایا: ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ﴾ "جا تو اور تیرا بھائی۔" یعنی ہارون علیہ السلام ﴿بِاٰيٰتِيْ﴾ "میری نشانیوں کے ساتھ۔" یعنی ان نشانیوں کے ساتھ جائیں جو حق کے حسن اور باطل کی قباحت پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً ید بیضا اور عصا سمیت نو معجزات لے کر فرعون اور اس کی اشرافیہ کے پاس جائیں۔ ﴿وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ﴾ "اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرو۔" یعنی میرا ذکر ہمیشہ کرتے رہو اور اس کو دائمی طور پر قائم رکھتے ہوئے کسی سستی کا شکار نہ ہو، میرے ذکر کو لازم بناؤ

جیسا کہ تم دونوں نے خود ان الفاظ میں وعدہ کیا ہے۔ ﴿كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا﴾ (طٰهٰ: ٢٠/٣٣، ٣٤) اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر تمام معاملات میں مدد ومعونت فراہم کر کے ان کو سہل بناتا ہے اور ان معاملات کے بوجھ میں تخفیف کرتا ہے۔

﴿اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ''تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ' وہ سرکش ہو گیا ہے۔'' یعنی وہ کفر' سرکشی' ظلم اور تعدی کی تمام حدود پھلانگ گیا ہے۔ ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا﴾ لفظی آداب کا خیال رکھتے ہوئے' نرمی کے ساتھ نہایت سہل اور لطیف بات کیجیے' فحش گوئی' ڈینگیں مارنے' سخت الفاظ اور درشت افعال سے پرہیز کیجیے۔ ﴿لَعَلَّهٗ﴾ شاید وہ اس نرم گوئی کے سبب سے ﴿یَتَذَكَّرُ﴾ نصیحت پکڑے جو اس کو فائدہ دے اور وہ اس پر عمل کرنے لگے ﴿یَخْشٰى﴾ اور نقصان دہ چیز سے ڈرے اور اسے ترک کر دے کیونکہ نرم گوئی اس کی طرف دعوت دیتی ہے اور سخت گوئی لوگوں کو اس سے متنفر کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ''نرم گوئی'' کی اپنے ارشاد میں تفسیر بیان کی ہے۔ ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِیَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى﴾ (النّٰزعٰت: ٧٩/ ١٨، ١٩) ''اور اس سے کہیے کہ کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی کروں تاکہ تو اپنے رب سے ڈرنے لگے؟'' کیونکہ اس قول میں جو نرمی اور آسانی پنہاں ہے اور سختی اور درشتی سے جس طرح پاک ہے' غور کرنے والے پر مخفی نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے (ھل) کا لفظ استعمال کیا ہے جو ''عرض'' اور ''مشاورت'' پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی شخص نفرت نہیں کرتا اور اسے ہر قسم کی گندگی سے تطہیر اور تزکیہ کی طرف بلایا ہے۔ جس کی اصل شرک کی گندگی سے تطہیر ہے جسے ہر عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا (اُزَکِّیکَ) ''میں تجھے پاک کروں'' بلکہ فرمایا: (تَزَکّٰی) یعنی ''تو خود پاک ہو جائے۔''

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس کے رب کی طرف بلایا جس نے اس کی پرورش کی اور اسے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا جن پر شکر اور ذکر کرنا چاہیے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَاَهْدِیَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى﴾ (النّٰزعٰت: ٧٩/١٩) ''اور تاکہ میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی کروں تاکہ تو اپنے رب سے ڈرنے لگے۔'' جب فرعون نے اس کلام نرم و نازک کو قبول نہ کیا' جس کا حسن دلوں کو پکڑ لیتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کو وعظ و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں' تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پکڑ لیا جس طرح ایک غالب اور مقتدر ہستی پکڑتی ہے۔

﴿قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ﴾ ''دونوں نے کہا' اے ہمارے رب! ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے۔'' یعنی کہیں وہ ہمیں عقوبت میں نہ ڈال دے اور تیرا پیغام پہنچانے اور اس پر حجت قائم کرنے سے پہلے ہی کہیں ہمیں کسی تعذیب میں مبتلا نہ کر دے ﴿اَوْ اَنْ یَّطْغٰى﴾ یا وہ حق کے خلاف تکبر سے اقتدار

وسلطنت' اپنے اعوان اور اپنی افواج کی بنا پر سرکشی نہ دکھائے۔

﴿قَالَ لَا تَخَافَآ﴾ فرمایا' اس بات سے نہ ڈرو کہ وہ تم پر زیادتی کرے گا ﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ "میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' سنتا اور دیکھتا ہوں۔" یعنی تم دونوں میری حفاظت اور نگرانی میں ہو' میں تمہاری بات کو سن رہا اور تمہارے تمام احوال کو دیکھ رہا ہوں اس لئے فرعون سے نہ ڈرو! چنانچہ ان دونوں کے دلوں سے فرعون کا خوف زائل ہو گیا اور اپنے رب کے وعدے پر ان کا دل مطمئن ہو گیا۔

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ

سو تم دونوں جاؤ اسکے پاس اور کہو بے شک ہم رسول ہیں تیرے رب کے، پس تو بھیج ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو، اور نہ ستا انہیں،

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا

تحقیق ہم لائے ہیں تیرے پاس نشانی تیرے رب کی طرف سے' اور سلامتی ہے اس شخص پر جس نے پیروی کی ہدایت کی ○ بے شک ہم'

قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾

تحقیق وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ بے شک عذاب ہے اس شخص پر جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا○

یعنی ان دو باتوں کے ساتھ فرعون کے پاس جائیں۔

(١) فرعون کو اسلام کی دعوت دیں۔

(٢) شرف کے حامل قبیلہ، بنی اسرائیل کو فرعون کی قید اور اس کی غلامی سے نجات دلائیں تاکہ وہ آزاد ہو کر اپنے معاملات کے بارے میں خود فیصلہ کریں اور موسیٰ علیہ السلام ان پر اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے دین کو نافذ کریں۔

﴿قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ﴾ "ہم تیرے پاس آئے ہیں نشانی لے کر۔" جو ہماری صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ○ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ (الاعراف: ٧/١٠٧، ١٠٨) "موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ واضح طور پر سانپ بن گیا اور اس نے اپنا ہاتھ گریبان سے نکالا تو دیکھنے والوں کے سامنے سفید چمک رہا تھا۔" ﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ "اور سلام ہے اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔" یعنی جس نے صراط مستقیم کی پیروی کی اور شرع مبین سے راہ نمائی لی' اسے دنیا و آخرت کی سلامتی حاصل ہو گئی۔ ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ﴾ "ہماری طرف وحی کی گئی ہے۔" یعنی ہم جو خبر دے رہے ہیں' اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ یعنی اس شخص کے لئے عذاب ہے جس نے اللہ اور انبیاء و رسل کی خبر کی تکذیب کی اور ان کی اطاعت سے منہ موڑا۔ اس میں فرعون کو ایمان و تصدیق اور دونوں نبیوں کی اطاعت و اتباع کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے متضاد امور سے ڈرایا گیا ہے۔ مگر اس کو کسی وعظ و نصیحت نے کوئی فائدہ نہ دیا اور اس نے اپنے رب کا انکار کر دیا اور ظلم و عناد کی بنا پر

اس بارے میں جھگڑا کیا۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾

فرعون نے کہا، پس کون ہے رب تم دونوں کا؟ اے موسیٰ! ○ موسیٰ نے کہا، ہمارا رب وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو شکل و صورت اسکی، پھر سوجھ بوجھ دی ○

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ

فرعون نے کہا، پس کیا حال ہے پہلی امتوں کا؟ ○ موسیٰ نے کہا، ان کا علم میرے رب کے پاس ہے لوح محفوظ میں، نہیں بھٹکتا میرا رب

وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ

اور نہ وہ بھولتا ہے ○ وہ ذات جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا، اور اس نے بنا دیئے تمہارے (چلنے کے) لیے اس میں راستے، اور نازل کیا

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ

آسمان سے پانی، پھر نکالیں ہم نے اسکے ذریعے سے کئی اقسام کی نباتات مختلف ○ تم (خود بھی) کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ

بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں عقل مندوں کیلئے ○ اسی زمین سے ہم نے پیدا کیا تمہیں، اور اسی میں ہم (دوبارہ) لوٹائیں گے تمہیں،

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

اور اسی میں سے ہم نکالیں گے تمہیں ایک بار پھر ○

یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے انکار کے طور پر کہا: ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى﴾ ”تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ؟“ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت واضح اور کافی وشافی جواب دیا۔ فرمایا: ﴿رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ﴾ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر مخلوق کو اپنی حسن تخلیق، حسن صنعت اور اس کی ضرورت کے مطابق وجود عطا کیا، مثلاً کسی کو بڑا، کسی کو چھوٹا اور کسی کو متوسط جسم عطا کیا اور یہی حال تمام صفات کا ہے۔

﴿ثُمَّ هَدٰى﴾ ”پھر اس نے رہنمائی کی۔“ یعنی ہر مخلوق کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کی طرف اس نے اس کی راہنمائی کی۔ اس ہدایت کامل کا تمام مخلوقات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہر مخلوق جس منفعت کے لئے تخلیق کی گئی ہے اس کے حصول اور مضرت کے دور کرنے کے لئے کوشاں رہتی ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بھی عقل عطا کی جس کے ذریعے وہ ان امور کے حصول پر متمکن ہوتے ہیں اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے۔ ﴿الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ (السجدة: ۳۲/۷) ”جس نے ہر چیز کو بہترین طریقے سے تخلیق کیا۔“ وہ ہستی جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں ایسی بہترین تخلیق عطا کی کہ عقل انسانی اس سے زیادہ خوبصورت تخلیق پیش نہیں کر سکتی اور وہ ہستی جس نے تمام مخلوقات میں ان کے مصالح کی طرف راہنمائی ودیعت کی، وہی حقیقت میں رب کائنات ہے۔ اس رب کا انکار، سب سے بڑی چیز کے وجود کا

انکار کرنا ہے اور یہ حقیقت کا انکار اور صریح جھوٹ ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انسان نے بعض ایسے امور کا انکار کیا ہے جو یقینی طور پر معلوم ہیں تو ان کا رب کائنات کا انکار کرنا سب سے بڑا انکار ہے' اس لئے جب فرعون اس قطعی دلیل کا مقابلہ نہ کر سکا تو اصل مقصد سے ہٹ کر جھگڑنے پر اتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا: ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾ یعنی پہلے زمانے کے لوگوں کا کیا معاملہ ہے اور ان کی کیا خبر اور کیا حال ہے؟ ان لوگوں نے تو ہم سے پہلے حق کا انکار کر کے' کفر' ظلم اور عناد کا ارتکاب کیا' کیا وہ ہمارے لئے نمونہ نہیں؟

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے اچھے برے تمام اعمال کو شمار کر کے اپنی کتاب' یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ علم و خبر کے اعتبار سے اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے کوئی چیز اس کے شمار کرنے اور لکھنے سے چھوٹتی نہیں اور نہ کوئی چیز اسے بھولتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے جو بھی اعمال آگے بھیجے ہیں قیامت کے روز انہیں ان اعمال کا سامنا کرنا ہو گا اور ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا...... اس لئے اے فرعون! ان کے بارے میں تیرے اس سوال اور استفہام کا کوئی معنیٰ نہیں۔ وہ ایک امت تھی جو گزر گئی ان کے اعمال ان کے لئے ہیں اور تم جو عمل کرو گے وہ تمہارے لئے ہے۔ اس لیے وہ دلیل جو ہم نے تیرے سامنے پیش کی ہے اور وہ نشانیاں جو ہم تجھے دکھا چکے ہیں' اگر تجھ پر ان کی صداقت متحقق ہو چکی ہے تو حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ کفر' ظلم اور باطل کے ذریعے کثرت جدال کو چھوڑ دے اور اگر تجھے اس بارے میں کوئی شک ہے اور تجھے اس پر یقین نہیں ہے تو بحث کا دروازہ کھلا ہوا ہے' دلیل کا جواب دلیل سے اور برہان کا جواب برہان سے ہونا چاہیے اور جب تک دن رات باقی ہیں تو کبھی بھی ایسا نہیں کر سکے گا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس نے ان آیات کا ان کی صداقت کا قائل ہونے کے بعد انکار کیا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ (النمل: ١٤/٢٧) ''انہوں نے ان آیات کا' ان کا قائل ہونے کے بعد' ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کیا۔''

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾ (بنی اسرائیل: ١٠٢/١٧) ''تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نازل نہیں کیں۔'' تب معلوم ہوا کہ فرعون اپنی بحث و جدال میں ظلم کا مرتکب ہوا اور اس کا مقصد محض زمین میں تغلب کا حصول تھا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں اور احسانات کا ذکر کر کے اس دلیل قاطع کو ان پر لازم کر دیا' چنانچہ فرمایا: ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ یعنی اس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا' تم اس سے سکون و قرار حاصل کرتے ہو' اس پر عمارتیں تعمیر کرتے ہو' باغات لگاتے ہو' زراعت کے لئے اس میں ہل چلاتے ہو اور

ان تمام کاموں کے لئے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور وہ تمہارے لئے تمہارے فوائد اور مصالح فراہم کرنے سے انکار نہیں کرتی ﴿وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا﴾ یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچانے کے لئے تمہارے لئے زمین میں راستے بنائے یہاں تک کہ انسان تمام روئے زمین پر ہر جگہ آسانی سے پہنچنے پر قادر ہیں اور وہ اپنے گھروں میں قیام پذیر رہ کر جو فائدہ اٹھاتے ہیں اس کی نسبت اپنے سفروں میں زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

﴿وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی ﴿فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (البقرة: ٢/ ١٦٤) ”اور اس بارش سے زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو زندہ کیا۔“ پھر اس بارش کے ذریعے سے مختلف انواع، مختلف اشکال اور مختلف احوال کے مطابق نباتات کی بہت سی اصناف پیدا کیں، پھر اس نباتات سے ہمارے لئے اور ہمارے مویشیوں کے لئے رزق فراہم کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو روئے زمین کے تمام انسان اور حیوان ہلاک ہو جاتے۔

اس لئے فرمایا: ﴿كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ﴾ ”تم کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو چراؤ۔“ اللہ تعالیٰ نے احسان کے طور پر اس آیت کریمہ کو بیان فرمایا ہے تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ تمام نباتات مباح ہیں اور ان میں سے کوئی چیز حرام نہیں سوائے ضرر رساں نباتات کے، مثلاً: زہر وغیرہ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾ یعنی اس میں پختہ عقل اور فکر راست رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، اس کے احسان، اس کی رحمت، اس کے بے پایاں جود و سخا اور اس کی عنایت کامل کی نشانیاں ہیں اور یہ اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ وہی رب معبود اور وہی مالک محمود ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ حمد، مدح اور ثنا کا اس ہستی کے سوا کوئی مستحق نہیں جس نے یہ تمام نعمتیں عطا کی ہیں، نیز یہ اس امر پر بھی دلیل ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اس نے جس طرح زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا اسی طرح وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں عقل مندوں کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل مند لوگ ہی ان نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کو عبرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر لوگ بہائم اور چوپایوں کی مانند ہیں، وہ ان نشانیوں کو عبرت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور نہ ان کی بصیرت کو ان نشانیوں کے مقاصد تک رسائی حاصل ہے بلکہ ان کے لیے ان نشانیوں میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا بہائم (چوپایوں) کا ہے۔ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور ان کے دل غافل اور جسم اعراض کرنے والے ہیں۔ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ (یوسف: ١٢/ ١٠٥) ”زمین اور آسمان میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے ان کا گزر ہوتا ہے مگر یہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔“

جب اللہ تعالیٰ نے زمین کی نفاست وفیاضی اور اللہ تعالیٰ کے اس پر بارش برسانے کے سبب اس کے حسن شکر کا ذکر کیا نیز بیان فرمایا کہ زمین اپنے رب کے حکم سے مختلف اقسام کی نباتات اگاتی ہے...... تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے ہمیں زمین سے پیدا کیا' ہمارے مرنے کے بعد ہمیں زمین ہی کی طرف لوٹائے گا اور ہمیں زمین میں دفن کر دے گا اور ایک مرتبہ پھر وہ ہمیں زمین سے نکال کھڑا کرے گا۔ پس جس طرح وہ ہمیں عدم سے وجود میں لایا...... اور یہ حقیقت ہمیں معلوم اور ہمارے سامنے متحقق ہے...... اسی طرح ہمارے مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا۔ اور مرنے کے بعد اعادہ حیات پر یہ دونوں دلیلیں واضح اور عقلی دلیلیں ہیں۔

١۔ زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس میں سے نباتات کو دوبارہ نکالنا۔

٢۔ مکلفین کو زمین میں سے نکال کر دوبارہ وجود میں لانا۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى (٥٦) قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا
اور البتہ تحقیق دکھائیں ہم نے اسکو نشانیاں اپنی سب، پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ○ اس نے کہا، کیا آیا ہے تو ہمارے پاس تاکہ تو نکال دے ہمیں
مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى (٥٧) فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا
ہماری زمین سے اپنے جادو کے ذریعے سے؟ اے موسیٰ! ○ سو البتہ ہم ضرور لائیں گے تیرے پاس جادو اس جیسا ہی، پس مقرر کر تو ہمارے درمیان
وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى (٥٨) قَالَ مَوْعِدُكُمْ
اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت کہ نہ خلاف کریں اس کا ہم اور نہ تو' جگہ ہو ہموار ○ موسیٰ نے کہا، تمہارا وعدہ ہے
يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى (٥٩) فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ
دن زینت (جشن) کا اور یہ کہ اکٹھے کیے جائیں لوگ چاشت کے وقت ○ پس لوٹا فرعون' اور جمع کیا اپنا مکر (وفریب کا سامان)' پھر
اَتٰى (٦٠) قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ
وہ آ گیا ○ کہا ان (جادوگروں) سے موسیٰ نے، ہلاکت ہو تمہارے لئے' نہ باندھو تم اللہ پر جھوٹ، پس وہ تباہ کر دے گا تمہیں
بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى (٦١)
ساتھ عذاب کے، اور تحقیق ناکام ہوا وہ جس نے جھوٹ باندھا ○

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے فرعون کو عیانی' آفاقی اور نفسی تمام اقسام کی نشانیاں دکھائیں مگر وہ درست ہوا نہ کفر سے باز آیا بلکہ اس نے ان کو جھٹلایا اور روگردانی کی۔ اس نے رسول کی دی ہوئی خبر کی تکذیب کی' اللہ تعالیٰ کے امرونہی سے اعراض کیا' اس نے حق کو باطل اور باطل کو حق بنایا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے باطل دلائل کے ذریعے سے جھگڑا کیا۔ پس اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ ﴿اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ﴾ ”کیا تو ہمارے

پاس اس لیے آیا ہے کہ تو ہم کو ہماری زمین سے نکال دے۔'' فرعون سمجھتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزات دکھائے ہیں، وہ محض جادو کا کرشمہ اور شعبدہ بازی ہے اور ان کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ فرعون کی قوم کو مصر کی سرزمین سے نکال کر خود قبضہ کیا جائے اور تاکہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام ان کی قوم کے دلوں کو متاثر کرے کیونکہ انسانی طبیعت اپنے وطن کی طرف مائل ہوتی ہے وطن سے نکلنا اور اس سے جدا ہونا اس کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے۔ پس فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصد سے آگاہ کیا تاکہ وہ ان کے خلاف ہو جائیں اور ان کے خلاف لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم بھی تمہارے جادو جیسا جادو دکھا سکتے ہیں ہمیں کچھ مہلت دو۔ ﴿مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَآ أَنتَ مَكَانًا سُوًى﴾ اور طے کر دے کہ کب اور کہاں مقابلہ کرنا ہے یعنی اس کا ہمیں بھی علم ہو اور تمہیں بھی۔ یا کوئی ہموار میدان ہو جہاں ان کرتبوں کا مشاہدہ ممکن ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ﴾ ''زینت (جشن) کے دن کا تم سے وعدہ ہے۔'' یہ دن ان کی عید کا دن تھا۔ جس میں وہ اپنے کام کاج سے فارغ ہوتے تھے اور تمام مشاغل منقطع کر دیتے تھے۔ ﴿وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ یعنی چاشت کے وقت تمام لوگوں کو جمع کیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ مطالبہ اس لئے کیا تھا کیونکہ ان کے جشن کا وقت دن چڑھے ہوتا تھا۔ اس جشن میں لوگ کثیر تعداد میں کھٹے ہوتے تھے نیز اس وقت اشیاء کے حقائق کا صاف طور پر مشاہدہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے وقت نہیں ہو سکتا۔ ﴿فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ﴾ یعنی اس نے وہ تمام وسائل جمع کر لئے جن کے ذریعے سے وہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف چال چل سکتا تھا۔ اس نے تمام شہروں میں اپنے ہرکارے دوڑا دیئے تاکہ وہ ماہر جادوگروں کو اکٹھا کریں۔ اس زمانے میں جادو بہت عام تھا اور لوگ اس کا علم حاصل کرنے میں بہت رغبت رکھتے تھے۔ فرعون نے جادوگروں کا ایک جم غفیر اکٹھا کر لیا۔ دونوں گروہ مقررہ مقام پر آ گئے اور لوگ اس مقام پر اکٹھے ہو گئے۔ اجتماع بہت بڑا تھا وہاں مرد، عورتیں، امراء، اشراف، عوام اور چھوٹے بڑے سب لوگ مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے انہوں نے لوگوں کو ترغیب دے کر جمع کیا تھا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا: ﴿هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ○ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ﴾ (الشعراء: ٢٦/ ٣٩، ٤٠) ''کیا تم اجتماع میں اکٹھے ہو گے؟ تاکہ اگر جادوگر غالب رہے تو ہم ان کی پیروی کریں۔''

جب جادوگر تمام شہروں سے اکٹھے ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو وعظ و نصیحت کی اور ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ﴾ یعنی اپنے جادو کے ذریعے سے اپنے باطل مسلک کی مدد کر کے حق پر غالب آنے کی کوشش نہ کرو اور نہ اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرو ورنہ عذاب الٰہی تمہیں تباہ کر دے گا۔ تمہاری کوشش اور تمہاری بہتان طرازی ناکام ہو جائے گی اور تمہیں فتح و نصرت اور فرعون اور اس کے درباریوں کے ہاں کوئی عزت و جاہ حاصل نہیں ہو گی اور تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکو گے۔

فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى (٦٢) قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ

پس انہوں نے جھگڑا کیا اپنے معاملے میں، آپس میں اور چپکے چپکے کیا انہوں نے مشورہ○ انہوں نے کہا، بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں،

يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ

یہ دونوں چاہتے ہیں یہ کہ نکال دیں تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو کے ذریعے سے، اور لے جائیں (برباد کردیں) تمہارا طریقہ

الْمُثْلٰى (٦٣) فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (٦٤)

عمدہ○ پس پختہ کرلو تم تدبیریں اپنی، پھر آ جاؤ تم صف باندھ کر، اور تحقیق کامیاب ٹھہرا آج کے دن جو غالب آیا○

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى (٦٥) قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ

انہوں نے کہا، اے موسیٰ! یا یہ کہ تو ڈالے، یا پھر ہم ہی ہوں پہلے ڈالنے والے○ موسیٰ نے کہا، بلکہ تم ہی ڈالو (انہوں نے ڈالیں)

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (٦٦)

تو ناگہاں انکی رسیاں اور انکی لاٹھیاں، خیال میں ڈالا گیا اس (موسیٰ) کے، انکے جادو کی وجہ سے کہ بے شک وہ دوڑ رہی ہیں○

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى (٦٧) قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (٦٨) وَاَلْقِ

پس محسوس کیا اپنے دل میں خوف موسیٰ نے○ ہم نے کہا، مت ڈر تو، بلاشبہ تو ہی غالب ہے○ اور ڈال تو (اپنی لاٹھی)

مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ

جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ نگل جائے گی اسکو جو کچھ انہوں نے بنایا ہے، یقیناً جو کچھ انہوں نے بنایا ہے، فریب ہے جادوگر کا اور نہیں کامیاب ہوتا

السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى (٦٩) فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ

جادوگر جس جگہ بھی (حق کے مقابل) آئے○ پس گرا دیے گئے جادوگر سجدے میں (اور) انہوں نے کہا، ہم ایمان لائے رب پر ہارون

وَمُوْسٰى (٧٠) قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ

اور موسیٰ کے○ فرعون نے کہا، (کیا) تم ایمان لائے ہو اس پر پہلے اس سے کہ میں اجازت دوں تمہیں؟ بلاشبہ وہ موسیٰ البتہ بڑا ہے تمہارا، وہ جس نے

عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ

سکھایا تمہیں جادو، پس البتہ ضرور کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں ایک دوسرے کی مخالف جانب سے اور البتہ ضرور سولی دوں گا میں تمہیں

فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى (٧١) قَالُوْا

تنوں پر کھجور کے، اور یقیناً تم جان لوگے کہ کون ہم میں سے زیادہ سخت ہے عذاب دینے میں، اور زیادہ باقی رہنے والا؟○ انہوں نے کہا،

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ

ہرگز نہیں ترجیح دیں گے ہم تجھے ان پر جو آئیں ہمارے پاس واضح دلیلیں، اور اس ذات پر جس نے پیدا کیا ہمیں پس کرلے تو جو کچھ بھی تو

قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۭ (٧٢) اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا

کرسکتا ہے، بس تو تو حکم چلا سکتا ہے اس زندگانی دنیا ہی پر○ بلاشبہ ہم ایمان لائے ساتھ اپنے رب کے تاکہ وہ بخش دے ہمارے لئے

خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾

ہماری خطائیں اور وہ (جرم) بھی کہ مجبور کیا تھا تو نے ہمیں اس پر (یعنی) جادو کرنے کا اور اللہ بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ○

کلام حق دلوں کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ کی بات سنی تو ان جادوگروں کے درمیان باہم نزاع اور جھگڑا برپا ہوگیا۔ ان کے درمیان نزاع کا سبب شاید یہ اشتباہ تھا کہ آیا موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں یا نہیں؟ مگر اس وقت تک ان کے درمیان اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا...... تاکہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کو ظہور میں لے آئے جس کا وہ فیصلہ کر چکا ہے۔ ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ (الانفال:٨/٤٢) ''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔'' اس وقت انہوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کر دیں کہ وہ ایک موقف پر متفق ہو جائیں تاکہ اپنے قول و فعل میں کامیابی سے ہمکنار ہوں اور لوگ ان کے دین کی پیروی کریں۔

وہ سرگوشی، جو وہ آپس میں کر رہے تھے، اس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا﴾ ''انہوں نے کہا، یہ دونوں جادوگر ہیں جو تمہیں اپنے جادو کے ذریعے سے تمہاری زمین سے نکالنا چاہتے ہیں۔'' ان کا یہ قول فرعون کے قول کی مانند ہے جو گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ یا تو فرعون اور جادوگروں میں بغیر کسی قصد کے اس قول پر اتفاق ہوا یا فرعون نے ان جادوگروں کو اس قول کی تلقین کی جس کا اس نے لوگوں کے سامنے اظہار کیا تھا اور لوگوں سے کہلوایا تھا، چنانچہ جادوگروں نے فرعون کی بات پر اضافہ کرتے ہوئے کہا: ﴿وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾ ''اور تمہارے بہترین طریقے کو ختم کر دیں۔'' یعنی تمہارا جادو کا طریقہ جس پر موسیٰ علیہ السلام تمہارے ساتھ حسد کرتا ہے اور تم پر غالب آنا چاہتا ہے تاکہ اسے فخر اور شہرت حاصل ہو اور اس علم کا مقصد بھی یہی ہے جس میں تم ایک زمانے سے مشغول ہو۔ موسیٰ چاہتا ہے کہ وہ تمہارے جادو کو ختم کر دے جو تمہارا ذریعہ معاش ہے، جس کی وجہ سے تمہیں ریاست ملی ہوئی ہے۔ یہ جادوگروں کی ایک دوسرے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آنے کے لئے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ترغیب ہے، اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ﴿فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ﴾ ''پس تم اپنا داؤ اکٹھا کرو۔'' یعنی اپنی رائے اور بات پر متفق ہو کر، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے یکبارگی موسیٰ پر غلبہ حاصل کر لو۔ ﴿ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا﴾ ''پھر آؤ تم صف بندی کر کے۔'' تاکہ تم بہتر طریقے سے اپنا کام کر سکو اور دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھ جائے اور تاکہ تم میں سے کوئی اس کام کو نہ چھوڑے جس کی وہ قدرت رکھتا ہے اور یاد رکھو! جو آج کامیاب ہو کر اپنے مدمقابل پر غالب آ گیا وہی فوز و فلاح کے مقام پر فائز ہے آج کی کامیابی پر مستقبل کی تمام کامیابیوں کا دارومدار ہے۔

وہ اپنے باطل میں کتنے سخت تھے، حق کے خلاف سازشوں میں انہوں نے ہر قسم کا سبب اور وسیلہ استعمال کیا مگر

اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو مکمل اور حق کو باطل پر غالب کر کے رہنے والا ہے۔ پس جب ان کی سازش مکمل ہوگئی اور ان کا قصد منحصر ہوگیا اور عمل کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ﴾ ''انہوں نے کہا' اے موسیٰ' یا تو تو پہلے ڈال۔'' یعنی اپنا عصا ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴾ 'یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔'' انہوں نے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ ہر حالت میں غالب آئیں گے' موسیٰ علیہ السلام کو ابتدا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿بَلْ اَلْقُوْا﴾ ''بلکہ تم ہی ڈالو۔'' پس انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ﴾ ''یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں (حضرت) موسیٰ کو یوں محسوس ہوئیں'' ﴿مِنْ سِحْرِهِمْ﴾ ان کے بہت بڑے جادو کے زور سے ﴿اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ ''کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔''

جب موسیٰ علیہ السلام کو رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر چلتی ہوئی محسوس ہوئیں ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے جیسا کہ طبیعت بشری کا تقاضا ہے' ورنہ حقیقت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے اور اس کی نصرت کا پورا یقین تھا۔ ﴿قُلْنَا﴾ ان کو ثابت قدم اور مطمئن رکھنے کے لئے ہم نے کہا: ﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ ''ڈر نہ' تو ہی غالب ہوگا'' یعنی تو ہی ان پر غالب رہے گا اور وہ ہار مان کر تیرے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔ ﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ﴾ یعنی اپنا عصا زمین پر پھینک دے ﴿تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾ ''وہ نگل جائے گا وہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے۔ ان کا کیا ہوا' جادوگر کا کرتب ہے۔ اور جادوگر جہاں سے بھی آئے' کامیاب نہیں ہوتا۔'' یعنی ان کی سازش اور ان کی چال ان کے لئے بار آور نہ ہوگی اور اس سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ یہ ان جادوگروں کا فریب اور شعبدہ بازی ہے جو لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ وہ باطل کا لبادہ اوڑھے ہوتے ہیں مگر ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا اور وہ ان جادوگروں کے بناوٹی سانپوں کو نگل گیا اور لوگ اس سارے کرشمے کو دیکھ رہے تھے۔ تب جادوگروں کو یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ یہ جادو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزہ ہے پس وہ فوراً ایمان لے آئے۔ ﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ○ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ (الشعراء: ۲۶/۴۶-۴۸) ''پس گر گئے جادوگر سجدے میں اور کہا ہم رب کائنات پر ایمان لے آئے جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے۔'' پس اس بھرے مجمع میں حق ظاہر اور روشن ہوگیا اور مکر و فریب اور جادو باطل ہوگیا اور یہ چیز اہل ایمان کے لئے ایک واضح دلیل اور رحمت بن گئی اور معاندین حق پر حجت قائم ہوگئی۔

﴿قَالَ﴾ فرعون نے جادوگروں سے کہا: ﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ یعنی مجھ سے پوچھے اور میری اجازت کے بغیر تم نے ایمان لانے کا اقدام کیسے کر لیا؟ چونکہ وہ اپنے ہر معاملے میں فرعون کے مطیع تھے اور اس کا نہایت ادب کرتے تھے' اس لئے فرعون کو ان کا ایمان لانا بڑا عجیب سا لگا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس معاملے میں بھی اس کی

اطاعت کریں گے۔ اس دلیل اور برہان کو دیکھ لینے کے بعد فرعون اپنے کفر اور سرکشی میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہ بات کہہ کر اس نے اپنی قوم کی عقل کو اپنی اس بات سے ماؤف کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں پر جو غلبہ حاصل ہوا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ حق موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے بلکہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا گٹھ جوڑ ہے' انہوں نے فرعون اور اس کی قوم کو ان کی زمین سے باہر نکالنے کے لئے سازش کی ہے۔ پس فرعون کی قوم نے مکروفریب پر مبنی اس موقف کو سچ سمجھ کر قبول کر لیا۔ ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ (الزخرف: ۴۳/ ۵۴) ''اس نے اپنی قوم کی عقل کو ہلکا کر دیا اور انہوں نے اس کی بات مان لی' بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔''

فرعون کی یہ بات کسی آدمی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی جو رتی بھر عقل اور واقعہ کی معرفت رکھتا ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے تشریف لائے تو وہ تنہا تھے جب وہ مصر پہنچے تو وہ کسی جادوگر یا غیر جادوگر سے نہیں ملے بلکہ وہ فرعون اور اس کی قوم کو دعوت دینے کے لئے جلدی سے اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے معجزات دکھائے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا اور امکان بھر کوشش کی' چنانچہ ہرکارے بھیج کر تمام شہروں سے ماہر جادوگر اکٹھے کر لئے۔ اس نے جادوگروں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ موسیٰ پر غالب آ گئے تو وہ انہیں بہت بڑا معاوضہ اور قدر و منزلت عطا کرے گا۔ چونکہ وہ بہت زیادہ لالچی تھے اس لئے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے مکروفریب کے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ کیا اس صورتحال میں یہ تصور کرنا ممکن ہے کہ جادوگروں اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خلاف سازش کر لی ہو اور جو کچھ پیش آیا اس پر پہلے سے اتفاق کر لیا ہو۔ یہ محال ترین بات ہے۔

پھر فرعون نے جادوگروں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا: ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ ''پس میں ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پیر الٹے سیدھے'' جیسے فساد برپا کرنے والے محاربین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جاتا ہے۔ ﴿وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ یعنی تمہاری رسوائی اور اس کی تشہیر کی خاطر تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دے دوں گا۔ ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾ ''اور تم جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور پائدار ہے۔'' یعنی فرعون اور اس کے گروہ کا یہ گمان تھا کہ فرعون کا عذاب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے زیادہ سخت' حقائق کو بدلنے اور بے عقل لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے زیادہ دیرپا ہے' اس لئے جب جادوگروں نے حق کو پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل دے دی جس کی بناء پر انہوں نے حقائق کا ادراک کر لیا تو انہوں نے جواب دیا۔ ﴿لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ ''ہم ہرگز تجھ کو ترجیح نہیں دیں گے ان دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں۔'' جو اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ اکیلا ہی رب ہے' وہ اکیلا ہی معظم اور معزز ہے اور اس کے سوا (دوسرے تمام) معبود باطل ہیں۔ تجھے ہم اس ہستی

پر ترجیح دیں جس نے ہمیں پیدا کیا؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ ﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ ''پس تو جو کر سکتا ہے کر لے۔'' یعنی جن باتوں سے تو نے ہمیں ڈرایا ہے' ہاتھ پیر کاٹنے سے' سولی پر چڑھانے سے یا اور سخت سزا سے' وہ تو دے کر دیکھ لے۔ ﴿اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ تو ہمیں جس تعذیب کی دھمکی دیتا ہے اس کی غایت و انتہاء یہ ہے کہ تو صرف اس دنیا میں ہمیں عذاب دے سکتا ہے جو ختم ہو جانے والا ہے یہ عذاب ہمیں کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ اس کے برعکس اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کا دائمی عذاب ہے جو اس کا انکار کرتا ہے۔ یہ گویا فرعون کے اس قول کا جواب ہے۔ ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾

جادوگروں کے اس کلام میں اس بات کی دلیل ہے کہ عقل مند کے لئے مناسب ہے کہ وہ دنیا کی لذتوں اور آخرت کی لذتوں' دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب کے مابین موازنہ کرے۔ ﴿اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا﴾ ''ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں بخش دے۔'' یعنی ہمارے کفر اور ہمارے گناہوں کو اس لیے کہ ایمان برائیوں کا کفارہ ہے اور توبہ پچھلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے ﴿وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ﴾ ''اور اس جادو کو بھی معاف کر دے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا۔'' یعنی وہ جس سے ہم نے حق کا مقابلہ کیا۔ جادوگروں کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے خود اختیاری سے جادو کا کام نہیں کیا تھا بلکہ فرعون نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔

ظاہر ہوتا ہے' واللہ اعلم' کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے ﴿وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾ (طٰہٰ: ۶۱/۲۰) ''کم بختو! اللہ پر بہتان طرازی نہ کرو ورنہ وہ کسی عذاب کے ذریعے سے تمہاری جڑ کاٹ دے گا۔'' تو آپ کی نصیحت نے جادوگروں کو متاثر کیا اور ان کے دلوں میں جاگزین ہوگئی' اس لئے موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کے بعد ان کے درمیان اختلاف اور تنازع پیدا ہوا لیکن فرعون نے ان جادوگروں کو اس مکر و فریب پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کر دیا' اسی لئے انہوں نے جادو کے کرتب دکھانے سے پہلے فرعون کی بات دہرائی ﴿اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا﴾ یہ کہہ کر وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئے جس پر فرعون نے ان کو مجبور کیا تھا۔ شاید یہی نکتہ تھا کہ باطل کے ذریعے سے حق کی معارضت کی ناپسندیدگی ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی تھی...... انہوں نے جو کام سرانجام دیا وہ انہوں نے اغماض برتتے ہوئے سرانجام دیا...... اسی نکتہ نے ان کے دلوں کو متاثر کیا' اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو ایمان اور توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔

انہوں نے کہا تو نے جو اجر و منزلت اور عزت و جاہ کا ہم سے وعدہ کیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ثواب بہتر ہے اور فرعون کے اس قول کی نسبت اللہ تعالیٰ کا ثواب اور احسان باقی رہنے والا ہے۔ ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ

﴿اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾ فرعون کی مراد یہ تھی کہ اس کا عذاب زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ وہاں جادوگروں کے واقعے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ فرعون نے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی دینے کی دھمکی دی تھی مگر یہ ذکر نہیں فرمایا کہ اس نے اپنی اس دھمکی پر عمل کیا تھا اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس کی تصریح آئی ہے۔ اس دھمکی پر عمل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی حتمی بات کہنا دلیل پر موقوف ہے (جو موجود نہیں) واللہ تعالیٰ اعلم مگر اس نے اپنے اقتدار کے بل بوتے پر ان کو جو دھمکی دی تھی، وہ اس پر عمل کی دلیل ہے۔ کیوں کہ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرما دیتا۔ ناقلین کا اس پر اتفاق ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾

بے شک جو شخص آئے گا اپنے رب کے پاس مجرم بن کر، تو بلاشبہ اسکے لیے جہنم (تیار) ہے، نہ مرے گا وہ اس میں اور نہ جیے گا ○

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ﴿٧٥﴾

اور جو شخص آئے گا اس کے پاس مومن ہو کر، جبکہ اس نے عمل کیے ہوں نیک، تو یہ لوگ، ان کے لئے ہیں درجے بلند ○

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

(یعنی) باغات ہمیشگی کے، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں،

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع

اور یہی ہے جزا اس شخص کی جو پاک ہوا ○

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ جو کوئی مجرم کی حیثیت سے اس کے حضور حاضر ہوتا ہے یعنی وہ ہر لحاظ سے مجرمانہ صفات سے متصف ہے جو کفر کو مستلزم ہے اور وہ مرتے دم تک اس پر جما رہتا ہے' اس کی سزا جہنم ہے' جس کا عذاب بہت ہی سخت' جس کی ہتھکڑیاں بہت بڑی' جس کی گہرائی بہت زیادہ اور جس کی گرمی اور سردی بہت المناک ہوگی اور جہنم میں اس کو ایسا عذاب دیا جائے گا جو دل و جگر کو پگھلا کر رکھ دے گا۔ جہنم کے عذاب کی ایسی شدت ہوگی کہ جس کو عذاب دیا جائے گا وہ اس عذاب میں مرے گا نہ جیئے گا' نہ وہ مرے گا کہ اس کی جان چھوٹ جائے اور نہ وہ جیئے گا کہ وہ اس زندگی سے لذت اٹھا سکے۔ اس کی زندگی قلبی' روحانی اور جسمانی عذاب سے لبریز ہوگی' جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عذاب ایک گھڑی کے لئے بھی اس سے دور نہ ہوگا۔ وہ مدد کے لئے پکارے گا لیکن اس کی مدد نہ کی جائے گی اور وہ دعائیں کرے گا لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔ ہاں! جب وہ پانی مانگے گا تو اسے پینے کے لئے ایسا پانی دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ کی مانند ہوگا جو چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ جب وہ پکارے گا تو اس کو جواب دیا جائے گا۔ ﴿اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ (المؤمنون:١٠٨/٢٣) ''دفع ہو

جاؤ اور اسی عذاب میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام نہ کرو۔'' اور جو کوئی اپنے رب پر ایمان رکھتے' اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے اور اس کی کتابوں کی اتباع کرتے ہوئے' اس کے حضور حاضر ہوتا ہے ﴿ قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور اس نے فرض اور مستحب اعمال بھی سرانجام دیئے ہوتے ہیں ﴿ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴾ ''تو ان کے لیے بڑے درجے ہوں گے۔'' یعنی ان لوگوں کے لئے آراستہ بالاخانوں میں عالیشان ضیافتیں ہوں گی' کبھی نہ ختم ہونے والی لذتیں' بہتی ہوئی نہریں' دائمی خلود اور ایسی عظیم مسرتیں ہوں گی جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی کے تصور میں ان کا گزر ہوا ہے۔ ﴿ وَذٰلِكَ ﴾ یعنی یہ ثواب ﴿ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴾ اس شخص کی جزا ہے جو شرک' کفر' فسق اور معصیت سے اپنے آپ کو پاک کرتا ہے۔ وہ یا تو ان مذکورہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہی نہیں یا اگر اس سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو وہ توبہ کر لیتا ہے' نیز وہ اپنے نفس کو پاک کرتا ہے' ایمان اور عمل صالح کے ذریعے اس کی نشوونما کرتا ہے۔

''تزکیہ'' کے دو معنی ہیں۔

(۱) صاف کرنا اور گندگی کو زائل کرنا۔

(۲) بھلائی کے حصول میں اضافہ کرنا۔

زکوۃ کو انہی دو امور کی بنا پر زکوۃ کہا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا

اور البتہ تحقیق وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف یہ کہ رات کو نکال لے جا میرے بندے، پھر بنا تو ان کے لئے راستہ

فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ

سمندر میں خشک اس حال میں کہ نہ خوف ہوگا تجھے پکڑے جانے کا اور نہ ڈرے گا تو (ڈوبنے سے)○ پس پیچھے لگا انکے فرعون اپنے لشکروں سمیت

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ؕ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

تو ڈھانپ لیا انہیں سمندر سے جس چیز نے ڈھانپ لیا انہیں○ اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ (سیدھی) راہ بتائی○

جب موسیٰ علیہ السلام معجزات کے ذریعے سے فرعون اور اس کی قوم پر غالب آ گئے تو وہ مصر میں ٹھہر گئے اور فرعون اور قوم فرعون کو اسلام کی دعوت دینے لگے اور اس کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور اس کی تعذیب سے نجات دلانے میں کوشاں رہے۔ فرعون اپنی سرکشی اور روگردانی پر جما ہوا تھا اور بنی اسرائیل کے بارے میں اس کا معاملہ بہت سخت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے وہ آیات و معجزات دکھائے جن کا قرآن میں ذکر فرمایا اور بنی اسرائیل اعلانیہ اپنے ایمان کے اظہار پر قادر نہیں تھے انہوں نے اپنے گھروں کو مساجد بنا رکھا تھا اور نہایت صبر و استقامت کے ساتھ وہ فرعون کی تعذیب اور اذیتوں کا سامنا کر رہے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ

بنی اسرائیل کو اس کے دشمن کی غلامی سے رہائی دلا کر ایک ایسی سرزمین میں آباد کرے جہاں وہ علانیہ اس کی عبادت کریں اور اس کے دین کو قائم کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ وہ خفیہ طور پر بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کے منصوبے سے آگاہ کریں‘ رات کے ابتدائی حصے میں مصر سے نکل کر راتوں رات بہت دور نکل جائیں اور خبردار کر دیا کہ فرعون اپنی قوم کے ساتھ ان کا تعاقب کرے گا‘ چنانچہ تمام بنی اسرائیل اپنے اہل و عیال سمیت‘ رات کے پہلے پہر‘ مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو مصریوں نے دیکھا کہ شہر میں (بنی اسرائیل میں سے) کوئی بلانے والا ہے نہ جواب دینے والا تو ان کا دشمن فرعون سخت غضبناک ہوا۔ اس نے تمام شہروں میں ہرکارے بھجوا دیے تاکہ وہ لوگوں کو اکٹھا کریں اور ان کو بنی اسرائیل کے تعاقب پر آمادہ کریں تاکہ وہ ان کو پکڑ کر ان پر اپنا غصہ نکال سکے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے امر کو نافذ کرنے پر غالب ہے۔ پس فرعونی لشکر جمع ہو گیا تو وہ اسے لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ ﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ (الشعراء: ۶۱/۲۶) ”جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو (حضرت) موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا لو ہم پکڑے گئے۔“ ان پر خوف طاری ہو گیا‘ سمندر ان کے سامنے تھا اور فرعون (اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ) ان کے پیچھے تھا اور وہ غیظ و غضب سے لبریز تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت مطمئن اور پرسکون تھے اور انہیں اپنے رب کے وعدے پر پورا بھروسہ تھا‘ چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (الشعراء: ۶۲/۲۶) ”ہرگز نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے ضرور کوئی راہ دکھائے گا۔“

پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ وہ اپنا عصا سمندر پر ماریں۔ انہوں نے اپنا عصا سمندر پر مارا تو وہ پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی بلند پہاڑ کی مانند راستوں کے دائیں بائیں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام راستوں کو خشک کر دیا جن سے پانی دور ہٹ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے حکم دیا کہ وہ فرعون سے ڈریں نہ سمندر میں غرق ہونے سے ڈریں۔ پس وہ سمندر میں بنے ہوئے راستوں پر چل پڑے۔ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ساحل سمندر پر پہنچا تو وہ ان راستوں پر ان کے پیچھے سمندر میں گھس گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم مکمل طور پر سمندر سے باہر آ گئی اور فرعون اور اس کا لشکر پورے کا پورا سمندر میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو سمندر کی موجوں نے ان پر تھپیڑے مارنے شروع کر دیے (راستے کے دونوں طرف کی موجیں آپس میں مل گئیں) اور سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا اور تمام لشکر ڈوب گیا اور ان میں سے ایک بھی نہ بچا‘ جبکہ بنی اسرائیل اپنے دشمنوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن کو ہلاک کر کے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔

اور یہ کفر' ضلالت' بدراہی اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے عدم اعتناء کا انجام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ﴾ ''اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو۔'' یعنی فرعون نے کفر کو مزین اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا استخفاف کر کے اور اس کو برا کہہ کر اپنی قوم کو گمراہ کیا اور کبھی بھی ان کو راہ راست نہ دکھائی۔ وہ انہیں گمراہی اور بدراہی کے گھاٹ پر لے گیا' پھر انہیں عذاب اور ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ

اے بنی اسرائیل! تحقیق نجات دی ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے، اور وعدہ کیا ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب کا،

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (٨٠) كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اور نازل کیا ہم نے تم پر من اور سلوی ○ تم کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو رزق دیا ہم نے تمہیں،

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ

اور نہ سرکشی کرو تم اس میں کہ (اس کی وجہ سے) اترے تم پر میرا غضب، اور وہ شخص کہ اترا اس پر میرا غضب' تو یقیناً

هَوٰى (٨١) وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (٨٢)

وہ تباہ ہو گیا ○ اور بلاشبہ میں البتہ بہت بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیا نیک، پھر وہ راہ راست پر رہا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنا احسان عظیم یاد دلاتا ہے کہ اس نے ان کے دشمن کو ہلاک کیا اور کوہ طور کے دائیں جانب وعدہ کیا کہ وہ ان پر کتاب نازل کرے گا جس میں جلیل القدر احکام اور عالیشان خبریں ہیں۔ اس طرح دنیاوی نعمت کی تکمیل کے بعد دینی نعمت کی تکمیل ہوئی۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ ان کو اپنا یہ احسان یاد دلاتا ہے کہ اس نے بے آب و گیاہ بیابان میں ان پر من و سلویٰ نازل کیا اور ان کو بافراط رزق سے نوازا جو انہیں بلامشقت حاصل ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں' ان پر اس کا شکر ادا کرو۔ ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ﴾ یعنی اس کے عطا کردہ رزق میں سرکشی نہ کرو کہ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرنے لگو یا اس کی نعمت پر اترانے لگو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم پر میرا غضب نازل ہوگا یعنی میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا اور تمہیں عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ ﴿وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾ یعنی جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک اور خائب و خاسر ہوا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور احسان سے محروم ہو گیا اور اس کی ناراضی اور خسارہ اس کے حصے میں آیا۔

بایں ہمہ بندے نے خواہ کتنا بڑا گناہ کیوں نہ کیا ہو' اس کے لئے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ﴾ یعنی جو شخص کفر' بدعت اور فسق و فجور سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتا ہے اور قلب' بدن اور زبان کے ذریعے سے نیک

عمل کرتا ہے' تو میں بہت زیادہ بخشنے والا اور بے پایاں رحمت کا مالک ہوں۔ ﴿ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ یعنی پھر وہ صراط مستقیم پر گامزن ہوا' رسول کریم ﷺ کی اتباع اور دین قیم کی پیروی کی۔ پس یہ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ اس کے گزشتہ گناہوں اور ان پر اس کے اصرار کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ بخشش اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کے لئے سب سے بڑا سبب لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے' بلکہ تمام اسباب انھی اشیاء پر منحصر ہیں' کیونکہ توبہ گزشتہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے' ایمان اور اسلام گزشتہ تمام بداعمالیوں کو منہدم کر دیتے ہیں اور عمل صالح یعنی نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ راہ ہدایت کی تمام اقسام پر گامزن رہنا مثلاً علم حاصل کرنا' کسی آیت یا حدیث کا معنی سمجھنے کے لئے ان میں تدبر کرنا' دین حق کی طرف دعوت دینا' بدعت' کفرو ضلالت کا رد کرنا' جہاد اور ہجرت وغیرہ اور ہدایت کی دیگر جزئیات۔ یہ سب گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اور منزل مطلوب کے حصول میں مدد دیتی ہیں۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى (٨٣) قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ
اور کونسی چیز جلدی لے آئی تجھے، تیری قوم سے اے موسیٰ؟○ اس نے کہا، وہ لوگ میرے پیچھے (آ رہے) ہیں، اور میں نے جلدی کی
اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (٨٤) قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ
تیری طرف، اے میرے رب! تاکہ تو راضی ہو جائے○ اللہ نے کہا، پس بیشک ہم نے آزمایا ہے تیری قوم کو تیرے بعد اور گمراہ کر دیا انہیں
السَّامِرِيُّ (٨٥) فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ
سامری نے ○ پس لوٹا موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضب ناک غمگین' اس نے کہا، اے میری قوم!
اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ
کیا نہیں وعدہ کیا تھا تم سے تمہارے رب نے وعدہ اچھا؟ کیا پس لمبا ہو گیا تھا تم پر عہد یا چاہا تم نے
اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ (٨٦)
یہ کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے؟ پس خلاف ورزی کی تم نے میرے وعدے کی○

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے جگہ اور وقت مقرر کر دیا تا کہ ان پر تیس دن میں تورات نازل کر دے۔ پھر چالیس دن میں اس کا اتمام کیا۔ جب مدت مقرر پوری ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی ملاقات کے شوق اور چاہت میں وعدے کے مطابق جلدی سے مقررہ مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى﴾ یعنی کس چیز نے تجھ کو اپنی قوم سے پہلے آنے پر آمادہ کیا؟ تو نے صبر کیوں نہ کیا یہاں تک کہ تو اپنی قوم کے ساتھ آتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ﴾ وہ یہاں سے قریب ہی ہیں وہ عنقریب میرے پیچھے پہنچ جائیں گے اور جس چیز نے مجھے تیری جناب میں جلدی حاضر ہونے پر آمادہ کیا وہ ہے تیرے

قرب کی طلب، تیری رضا کے حصول میں جلدی اور تیرا شوق۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ﴾ یعنی تیرے بعد تیری قوم کو بچھڑے کی پوجا کے ذریعے سے ہم نے آزمایا۔ پس انہوں نے صبر نہیں کیا اور جب ان کا امتحان ہوا تو انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ﴾ ''اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا'' ﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا﴾ وہ ان کے لئے ایک بچھڑے کا بت بنا لایا ﴿لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا﴾ اس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ لوگ کہنے لگے۔ ﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى﴾ ''یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے'' جسے موسیٰ بھول گیا ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل فتنے میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو روکا مگر وہ بچھڑے کی عبادت سے باز نہ آئے۔

جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں واپس آئے تو سخت ناراض ہوئے وہ تاسف اور غیظ وغضب سے لبریز تھے انہوں نے اس فعل پر زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا﴾ ''اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟'' اور یہ تورات نازل کرنے کا وعدہ تھا۔ ﴿اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ﴾ کیا وعدہ پورا ہونے میں دیر لگ گئی تھی اور میری عدم موجودگی طویل ہو گئی تھی، حالانکہ یہ تو بہت ہی تھوڑی سی مدت تھی۔ یہ بہت سے مفسرین کا قول ہے اور اس میں ایک دوسرے معنی کا احتمال بھی ہے، وہ یہ کہ کیا عہد نبوت اور رسالت کو زیادہ عرصہ گزر گیا ہے؟ جس کی وجہ سے تمہارے پاس علم باقی نہ رہا، علم کے تمام آثار مٹ گئے اور تمہارے پاس کوئی خبر نہ پہنچی اور طول عہد کی بنا پر آثار نبوت محو ہو گئے تھے اور اس طرح تم نے آثار رسالت اور علم کے معدوم ہونے اور غلبہء جہالت کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی......؟ مگر معاملہ یوں نہیں، بلکہ نبوت تمہارے درمیان موجود اور علم قائم ہے، اس لئے تمہارا یہ عذر قابل قبول نہیں۔ یا اس فعل کے ذریعے سے تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو، یعنی تم نے ایسے اسباب اختیار کیے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے موجب ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ﴿فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ﴾ ''پس تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا۔'' جب میں نے تمہیں استقامت کا حکم دیا اور ہارون علیہ السلام کو تمہارے بارے میں وصیت کی تو تم نے غائب کا انتظار کیا نہ موجود کا احترام کیا۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ

انہوں نے کہا نہیں خلاف ورزی کی ہم نے تیرے وعدے کی اپنے اختیار سے لیکن اٹھوائے گئے تھے ہم بوجھ زیورات کا (فرعون کی) قوم کے

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِیُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا

پس پھینک دیے ہم نے وہ (آگ میں) اور اسی طرح (کچھ) پھینکا سامری نے بھی ○ پھر اس نے نکالا ان کے لیے ایک بچھڑا (یعنی) ایک جسم

لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِیَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا یَرَوْنَ

اس کی آواز تھی گائے کی سی، تو انہوں نے کہا، یہ معبود ہے تمہارا اور معبود ہے موسیٰ کا، پس وہ بھول گیا ○ کیا پس نہیں دیکھتے وہ

اَلَّا یَرۡجِعُ اِلَیۡہِمۡ قَوۡلًا ۬ۙ وَّ لَا یَمۡلِکُ لَہُمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا ﴿۸۹﴾ؑ

کہ بلاشبہ وہ (بچھڑا) نہیں لوٹاتا ان کی طرف کوئی بات اور نہیں اختیار رکھتا وہ ان کے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا ○

انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ان سے یہ کام جان بوجھ کر اور اپنے اختیار سے سرزد نہیں ہوا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ ہم زیورات کے گناہ سے، جو ہمارے پاس تھے، بچنا چاہتے تھے۔ اہل تفسیر ذکر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے مصر سے نکلنے سے پہلے قبطیوں سے زیورات وغیرہ مستعار لئے تھے مصر سے نکلتے وقت وہ زیورات بھی ساتھ لے آئے۔ وہاں سے نکل کر انہوں نے وہ زیورات پھینک دیئے تھے جب موسیٰ علیہ السلام چلے گئے تو انہوں نے وہ زیورات اکٹھے کر لئے تاکہ حضرت موسیٰ کی واپسی پر اس بارے میں ان سے رجوع کریں۔

جس روز فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہوا اس روز سامری نے رسول کا نقش پا دیکھ لیا تھا، اس کے نفس نے اسے آمادہ کیا اور اس نے اس نقش پا سے خاک کی ایک مٹھی اٹھالی اور اس خاک میں یہ تاثیر تھی کہ جب اسے کسی چیز پر ڈالا جاتا تو وہ زندہ ہو جاتی تھی ...... یہ امتحان اور آزمائش تھی۔ اس نے یہ خاک بچھڑے کے اس بت پر ڈال دی، جو اس نے گھڑا تھا۔ اس سے اس میں حرکت پیدا ہو گئی اور اس سے آواز بھی نکلتی تھی۔ بنی اسرائیل نے کہا موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو تلاش کرنے گیا ہے اور وہ یہاں موجود ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گیا۔

یہ ان کی کم عقلی اور حماقت تھی کہ انہوں نے گائے کے بچھڑے کو جو ایک دھات کا بنا ہوا تھا جس میں آواز پیدا ہو گئی تھی ...... زمین اور آسمانوں کا الٰہ سمجھ لیا تھا۔ ﴿اَفَلَا یَرَوۡنَ﴾ "کیا وہ نہیں دیکھتے۔" کہ وہ بچھڑا ﴿اَلَّا یَرۡجِعُ اِلَیۡہِمۡ قَوۡلًا﴾ ان سے کلام کر سکتا ہے نہ وہ ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے نہ ان کو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان؟ پس صرف وہی ہستی عبادت کی مستحق ہے جو کمال، کلام اور افعال کی مالک ہو اور ایسی ہستی عبادت کیے جانے کا استحقاق نہیں رکھتی جو اپنے عبادت گزاروں سے بھی ناقص ہو کیونکہ عبادت گزار تو کلام کر سکتے ہیں اور بعض معاملات میں، اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت کے مطابق، نفع و نقصان کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔

وَلَقَدۡ قَالَ لَہُمۡ ہٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِہٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّکُمُ

اور البتہ تحقیق کہا تھا ان سے ہارون نے پہلے اس سے، اے میری قوم! یقیناً تم آزمائے گئے ہو بوجہ اس (بچھڑے) کے اور بلاشبہ تمہارا رب

الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ وَ اَطِیۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ ﴿۹۰﴾ قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَیۡہِ عٰکِفِیۡنَ حَتّٰی

نہایت مہربان ہے، پس تم پیروی کرو میری اور اطاعت کرو میرے حکم کی ○ انہوں نے کہا، ہمیشہ رہیں گے ہم تو اس کی پرستش کرتے یہاں تک کہ

یَرۡجِعَ اِلَیۡنَا مُوۡسٰی ﴿۹۱﴾ قَالَ یٰہٰرُوۡنُ مَا مَنَعَکَ اِذۡ رَاَیۡتَہُمۡ ضَلُّوۡۤا ﴿۹۲﴾ۙ

لوٹ آئے ہماری طرف موسیٰ ○ موسیٰ نے کہا، اے ہارون! کس چیز نے منع کیا تھا تجھے جب دیکھا تو نے انکو کہ وہ گمراہ ہو گئے ○

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیۡتَ اَمۡرِیۡ ﴿۹۳﴾ قَالَ یَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡیَتِیۡ

اس سے کہ نہ پیروی کرے تو میری؟ کیا پس تو نے نافرمانی کی میرے حکم کی؟ ○ ہارون نے کہا، اے میری ماں جائے! نہ پکڑ تو داڑھی میری

وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

اور نہ سر میرا، بے شک میں ڈر گیا تھا اس (بات) سے کہ تو کہے گا تفرقہ ڈال دیا تو نے درمیان

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

بنی اسرائیل کے، اور نہ انتظار کیا تو نے میری بات کا ○

یعنی بچھڑے کو معبود بنانے میں وہ معذور نہیں تھے۔ اگر وہ بچھڑے کی عبادت کے بارے میں کسی شبہ میں مبتلا ہو گئے تھے تو ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت روکا تھا اور ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ ان کی آزمائش ہے۔ ان کا رب تو رحمٰن ہے جس کی طرف سے تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کا فیضان جاری ہے اور وہ تمام تکالیف کو دور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ ہارون علیہ السلام کی اتباع کریں اور بچھڑے کو چھوڑ دیں۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور کہنے لگے: ﴿لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى﴾ ''موسیٰ کے آنے تک ہم تو اسی کی عبادت و تعظیم میں لگے رہیں گے۔'' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کو ملامت کرتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: ﴿يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ○ اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾ ''اے ہارون! جب تو نے ان کو دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں، تو تجھے میرے پیچھے آنے سے کس چیز نے روک دیا؟'' کہ آکر تو مجھے خبر کر دیتا تاکہ میں جلدی سے ان کی طرف لوٹ آتا ﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ﴾ کیا تو نے میرے اس حکم کی نافرمانی کی ہے ﴿اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۴۲/۷) ''تو میری قوم میں میری جانشینی کر، معاملات کو درست کر اور اہل فساد کے راستے کی پیروی نہ کر۔''

موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو سر اور داڑھی سے پکڑا اور غصے میں اپنی طرف کھینچا۔ ہارون علیہ السلام نے کہا: ﴿يَبْنَؤُمَّ﴾ ''اے میرے ماں جائے'' انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے رقت قلبی کی امید پر یہ فقرہ کہا تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ماں اور باپ دونوں طرف سے ان کے بھائی تھے۔ ﴿لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ﴾ ''آپ میری داڑھی اور سر نہ پکڑیں، میں تو اس بات سے ڈرا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔'' کیونکہ آپ کا حکم تھا کہ میں ان میں آپ کی جانشینی کروں اگر میں آپ کے پیچھے چلا آتا تو میں اس چیز کو چھوڑ بیٹھتا جس کے التزام کا آپ نے حکم دیا تھا اور میں آپ کی ملامت سے ڈرتا رہا۔ ﴿اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ کسی نگرانی کرنے والے اور کسی جانشین کے بغیر ان کو چھوڑ دیا اور اس سے ان میں تشتت و افتراق پیدا ہو گیا۔ اس لئے آپ مجھے ظالموں میں شریک نہ کریں اور نہ دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع دیں۔

اس پر موسیٰ علیہ السلام کو بھائی کے ساتھ اپنے طرز عمل پر ندامت ہوئی کہ وہ اس سلوک کے مستحق نہ تھے، اس لئے دعا کی۔ ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۵۱/۷)

''اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخشش اور ہمیں اپنی رحمت کے سایہ میں داخل کر، تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

موسیٰ نے کہا، پس کیا معاملہ ہے تیرا اے سامری؟ ○ اس نے کہا، دیکھا تھا میں نے اس چیز کو کہ نہ دیکھا تھا ان لوگوں نے اسے، پس بھر لی میں نے ایک مٹھی

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ

رسول (جبریل) کے نشان قدم سے، پھر پھینکا میں نے اسکو اور اسی طرح مزین کیا تھا میرے لیے میرے نفس نے ○ موسیٰ نے کہا، پس جا تو، پس بیشک

لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ

تیرے لئے ہے زندگی بھر کہ تو کہتا رہے نہ ہاتھ لگانا (مجھے) اور بلاشبہ تیرے لئے وعدہ کا وقت ہے کہ ہرگز نہیں خلاف کیا جائے گا تیرے حق میں اس سے

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ

اور دیکھ تو طرف اپنے معبود کی وہ جو ہو گیا تھا تو اس کی پرستش کرنے والا، البتہ ضرور جلائیں گے ہم اسے،

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾

پھر اڑائیں گے ہم (اس کی راکھ) سمندر میں (مکمل طور پر) اڑانا ○

یعنی یہ جو تو نے سب کچھ کیا ہے یہ کیا معاملہ ہے؟ سامری نے جواب دیا۔ ﴿بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ﴾ ''میں نے وہ چیز دیکھی جو انہوں نے نہیں دیکھی۔'' یعنی وہ جبریل علیہ السلام تھے جن کو سامری نے سمندر سے باہر نکلتے اور فرعون کے اپنے لشکر سمیت ڈوبتے وقت گھوڑی پر سوار دیکھا۔ جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے۔ یعنی میں نے گھوڑی کے سم کے نیچے سے خاک کی ایک مٹھی اٹھائی اور بچھڑے (کے بت) پر ڈال دی۔ ﴿وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ﴾ میرے نفس نے مجھے ایسے ہی سمجھایا تھا کہ میں (جبریل کے نقش پا سے) ایک مٹھی خاک لوں اور اسے اس بچھڑے پر ڈال دوں اور اس طرح وہ کچھ ہو جائے جو ہو گیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا: ﴿فَاذْهَبْ﴾ مجھ سے دور ہو جا ﴿فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ﴾ یعنی تجھے زندگی میں ایسی سزا دی جائے گی کہ کوئی شخص تیرے قریب آئے گا نہ تجھے چھوئے گا۔ اگر کوئی شخص تیرے پاس آنا چاہے گا تو خود ہی پکار کر اسے کہہ دے گا ''مجھے مت چھونا' میرے قریب نہ آنا'' یہ تمہارے اس فعل کی سزا ہوگی...... کیونکہ سامری نے اس چیز کو چھوا جسے کسی دوسرے نے نہیں چھوا اس نے وہ کچھ جاری کیا جو کسی اور نے جاری نہیں کیا۔

﴿وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ ''اور تیرے لیے ایک وعدہ ہے جو ہرگز تجھ سے نہیں ٹلے گا۔'' پس اس وقت تجھے تیرے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ ''اور دیکھ تو اپنے اس معبود کی طرف جس کی تو تعظیم و عبادت کرتا ہے۔'' اس سے مراد بچھڑا ہے ﴿لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ

﴿فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ ”ہم اسے جلا کر، اس کا ریزہ ریزہ اڑا دیں گے۔“ اور موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اگر وہ بچھڑا معبود ہوتا تو وہ ایذا دینے والے اور تلف کرنے والے سے بچ سکتا تھا۔ بنی اسرائیل کے دلوں میں بچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اس کو تلف کرنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ اس کو دوبارہ نہ بنا سکیں...... اس کو جلانے اور اس کو ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں بکھیرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح بچھڑا جسمانی طور پر ختم کر دیا گیا ہے اسی طرح ان کے دلوں سے اس کی محبت بھی زائل ہو جائے، نیز اس کے باقی رکھنے میں نفوس کے لئے فتنے کا امکان تھا کیونکہ نفسوں کے اندر باطل کی طرف بڑا قوی داعیہ ہوتا ہے۔

جب ان کے سامنے اس خود ساختہ خدا کا بطلان واضح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ہستی کے متعلق آگاہ فرمایا جو عبادت کی مستحق ہے، جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، فرمایا:

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

یقیناً تمہارا معبود تو وہ اللہ ہے کہ نہیں کوئی اور معبود سوائے اس کے، گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو از روئے علم کے ○

یعنی اللہ کریم کے سوا کوئی معبود نہیں، صرف اسی کے ساتھ محبت کی جائے، اسی پر امیدیں رکھی جائیں، اسی سے ڈرا جائے اور اسی کو پکارا جائے۔ وہی کامل ہستی ہے جو اسماء حسنیٰ اور اوصاف عالیہ کی مالک ہے۔ اس کے علم نے تمام اشیاء کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے کہ بندوں پر جتنی بھی نعمتیں ہیں صرف اسی کی عطا کردہ ہیں۔ صرف وہی ہے جو تمام تکالیف کو دور کرتا ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖۚ ﴿٩٩﴾

اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں آپ پر کچھ وہ خبریں جو پہلے گزر چکی ہیں اور تحقیق دیا ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) ○

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ

جس شخص نے اعراض کیا اس سے تو بلاشبہ وہ اٹھائے گا دن قیامت کے ایک بوجھ ○ وہ ہمیشہ رہیں گے اس (تکلیف) میں

وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ﴿١٠١﴾

اور برا ہو گا ان کے لیے دن قیامت کے بوجھ اٹھانا ○

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنے احسان کا ذکر کرتا ہے کہ اس نے آپ کو گزرے ہوئے لوگوں کی خبروں سے آگاہ فرمایا...... مثلاً یہ عظیم واقعہ اور اس کے اندر مذکور تمام احکام، جن کا اہل کتاب میں سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ پس آپ نے گزری ہوئی قوموں کی تاریخ کا درس لیا ہے نہ کسی سے اس کا علم حاصل کیا ہے، لہٰذا آپ کا ان کے واقعات کے بارے میں حق الیقین کے ساتھ آگاہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ سب صداقت پر مبنی ہے۔ بناء بریں فرمایا: ﴿وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ

﴿ لَّدُنَّا ﴾ ''اور دیا ہم نے آپ کو اپنی طرف سے۔'' یعنی اپنی طرف سے نفیس عطیہ اور عظیم نوازش کے طور پر ﴿ ذِكْرًا ﴾ ''ایک ذکر'' اس سے مراد قرآن کریم ہے جس میں تمام گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کامل اسماء وصفات کا ذکر ہے اور اس میں احکام امر و نہی اور احکام جزا کا تذکرہ ہے۔

یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم بہترین احکام پر مشتمل ہے۔ عقل اور فطرت سلیم ان احکام کے حسن و کمال کی گواہی دیتی ہیں اور قرآن کریم آگاہ کرتا ہے کہ ان احکام میں کیا کیا مصالح پنہاں ہیں' اس لئے جب قرآن کریم رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے تذکرہ ہے تب اس کو قبول کرنا' اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا' اس کی اطاعت کرنا' اس کی روشنی میں صراط مستقیم پر گامزن ہونا اور اس کی تعلیم و تعلم واجب ہے اور اس سے روگردانی کے ساتھ پیش آنا یا اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جو اس سے بھی زیادہ عمومیت کا حامل ہو' جیسے اس کی باتوں کا انکار کرنا۔ تو یہ اس نعمت کی ناشکری ہے اور جو کوئی اس ناشکری کا ارتکاب کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے۔

اس لئے فرمایا: ﴿ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ ﴾ جس نے اس سے روگردانی کی اور اس پر ایمان نہ لایا' یا اس کے اوامر و نواہی کو حقیر سمجھا' یا اس نے اس کے معانی کے تعلم کا تمسخر اڑایا تو یہ شخص ﴿ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴾ قیامت کے روز اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا جس کے سبب سے اس نے قرآن سے روگردانی کی۔ سب سے بڑا گناہ تو کفر اور قرآن کو چھوڑنا ہے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ﴾ یعنی وہ اپنے گناہ کے بوجھ اٹھانے کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ (برے) اعمال ہی درحقیقت عذاب ہیں۔ یہ اعمال بد صغیرہ یا کبیرہ ہونے کے مطابق' ارتکاب کرنے والوں کے لئے عذاب میں بدل جاتے ہیں۔ ﴿ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴾ یعنی بہت برا بوجھ ہے جو وہ اٹھائیں گے اور بہت برا عذاب ہے جو انہیں قیامت کے روز بھگتنا ہوگا۔ پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے قیامت کے دن کے احوال اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ

جس دن پھونک ماری جائے گی صور میں' اور ہم اکٹھا کریں گے اس دن مجرموں کو درآنحالیکہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے ○ چپکے چپکے کہتے ہونگے وہ

بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ

آپس میں (یہ کہ) نہیں ٹھہرے تم (دنیا میں) مگر صرف دس دن ○ ہم خوب جانتے ہیں اس کو جو کچھ وہ کہیں گے' جس وقت کہے گا

اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۵ ۱۴

بہترین ان کا باعتبار رائے کے کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک ہی دن ○

یعنی جب صور پھونکا جائے گا اور تمام لوگ اپنے اپنے حسب حال اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے' اہل تقویٰ وفد کی صورت میں رحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور مجرم اس حال میں اکٹھے کئے جائیں گے کہ خوف'

غم اور سخت پیاس کے مارے ان کا رنگ نیلا پڑ گیا ہوگا' تو وہ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کریں گے اور نہایت پست آواز میں دنیا کی مدت کے کم ہونے اور آخرت کے جلد آ جانے کے بارے میں ایک دوسرے سے گفتگو کریں گے۔ ان میں سے کچھ لوگ کہیں گے کہ تم لوگ بس دس دن دنیا میں رہے ہو اور بعض دوسرے لوگ کچھ اور کہیں گے۔ پست آواز میں وہ جو سرگوشیاں کر رہے ہوں گے اللہ انہیں جانتا ہوگا اور وہ جو باتیں کر رہے ہوں گے وہ انہیں سنتا ہوگا ﴿اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً﴾ یعنی ان میں سے سب سے زیادہ معتدل اور اندازے کے سب سے زیادہ قریب شخص کہے گا: ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا﴾ تم صرف ایک دن دنیا میں رہے ہو۔

اس سے ان کا مقصد بہت بڑی ندامت اور پشیمانی کا اظہار ہے کہ انہوں نے اوقات قصیرہ کیسے ضائع کر دیے اور غفلت اور لہو ولعب میں ڈوب کر فائدہ مند اعمال سے اعراض کرتے ہوئے اور نقصان دہ اعمال میں پڑ کر ان اوقات کو گزار دیا۔ اب جزا کا وقت آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوا اور اب ندامت' ہلاکت اور موت کی دعا کے سوا کچھ باقی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ○ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ○ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (المؤمنون: ٢٣/١١٢-١١٤)

''اللہ پوچھے گا تم زمین میں کتنے سال رہے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں' شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے! فرمایا تم زمین میں بہت تھوڑا ٹھہرے ہو' کاش تم نے اس وقت جانا ہوتا۔''

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا

اور وہ سوال کرتے ہیں آپ سے پہاڑوں کی بابت، پس آپ کہہ دیجیے! اڑا دے گا انکو میرا رب اڑا دینا ○ پس چھوڑے گا وہ اس (زمین) کو چٹیل

صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ

میدان بنا کر ○ نہ دیکھیں گے آپ اس میں کوئی کجی اور نہ ٹیلہ ○ اس دن وہ (لوگ) پیچھے چلیں گے بلانے والے کے نہیں کوئی کجی ہوگی

لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ

اسکے لیے، اور پست ہو جائیں گی سب آوازیں (اللہ) رحمٰن کے سامنے، پس نہ سنیں گے آپ سوائے آہٹ کے ○ اس دن نہیں نفع دے گی

الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

سفارش مگر اس شخص کی کہ اجازت دے گا اسے رحمٰن، اور پسند کرے گا اسکے لیے بات کرنا ○ وہ جانتا ہے جو کچھ انکے سامنے ہے

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ

اور جو کچھ انکے پیچھے ہے، اور نہیں احاطہ کر سکتے وہ لوگ اسکا از روئے علم کے ○ اور جھک جائیں گے (سب) چہرے حی قیوم (اللہ) کیلئے، اور تحقیق

خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ

ناکام ہوا وہ شخص جس نے اٹھایا بوجھ ظلم (شرک) کا ○ اور جو شخص عمل کرے نیک جبکہ وہ

مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

مومن ہو تو نہیں ڈرے گا وہ ناانصافی سے اور نہ حق تلفی سے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے خوفناک زلزلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ یعنی وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ کیا یہ پہاڑ اپنی حالت پر باقی رہیں گے؟ ﴿فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو ان کی جگہ سے اکھاڑ پھینکے گا اور یہ پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی اون اور ریت‘ پھر ان کو ریزہ ریزہ کر کے اڑتی ہوئی خاک میں تبدیل کر دے گا۔ پہاڑ فنا ہو کر ختم ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو ہموار کر کے زمین کے برابر کر دے گا اور زمین کو ہموار چٹیل میدان بنا دے گا۔ زمین کے کامل طور پر ہموار ہونے کی بنا پر دیکھنے والے کو کوئی نشیب و فراز نظر نہیں آئے گا‘ یعنی وادیاں اور پست یا بلند مقامات نہیں ہوں گے۔ تمام زمین ہموار اور یکساں نظر آئے گی جو تمام مخلوقات کے لئے کشادہ ہوگی اور اللہ اس کو اس طرح بچھا دے گا جس طرح چمڑا بچھایا جاتا ہے۔ تمام مخلوق ایک جگہ کھڑی ہوگی پکارنے والے کی آواز ان کو سنائی دے گی اور دیکھنے والا ان کو دیکھ سکے گا‘ اس لئے فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ﴾ ”اس دن وہ پکارنے والے کے پیچھے لگیں گے۔“ اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے کھڑے ہوں گے اور پکارنے والا ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے اور ایک جگہ جمع ہونے کے لئے پکارے گا تو وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے اس کی طرف جائیں گے اور دائیں بائیں وہ اس سے نظر ہٹائیں گے نہ دائیں بائیں التفات کریں گے۔

فرمایا: ﴿لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ یعنی پکارنے والے کی دعوت میں کوئی کجی نہ ہوگی بلکہ اس کی دعوت تمام خلائق کے لئے حق اور صدق پر مبنی ہوگی اور وہ پکار کر تمام خلائق تک اپنی آواز پہنچائے گا۔ تمام لوگ قیامت کے میدان میں حاضر ہوں گے اور رحمٰن کے سامنے ان کی آوازیں پست ہوں گی۔ ﴿فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ ”پس نہیں سنے گا تو سوائے کھسر پھسر کے۔“ یعنی فقط قدموں کی چاپ یا ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہونے والی پست آواز سنائی دے گی اور ان پر خشوع‘ سکوت اور خاموشی طاری ہوگی اور رب رحمٰن کے فیصلے کے منتظر ہوں گے اور چہرے تذلل اور خضوع سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ تم اس عظیم مقام پر دیکھو گے کہ دولت مند اور فقراء‘ مرد اور عورتیں‘ آزاد اور غلام‘ بادشاہ اور عوام سب نظریں نیچے کئے ساکت اور خاموش گھٹنوں کے بل گرے ہوئے اور گردنوں کو جھکائے ہوئے ہوں گے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ ہر شخص اپنے باپ‘ بھائی اور دوست یار کو بھول کر صرف اپنے معاملے میں مشغول ہوگا۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس: ۸۰/۳۷) ”اس روز ہر شخص ایک معاملے میں مصروف ہوگا جو اسے دوسروں کے بارے میں بے پروا کر دے گا۔“

حاکم عادل اس بارے میں فیصلہ کرے گا‘ نیکوکار کو اس کی نیکی کی جزا دے گا اور بدکار کو محروم کرے گا۔ رب کریم اور رحمٰن و رحیم پر امید یہ ہے کہ تمام خلائق اس کے ایسے فضل و احسان‘ عفو و درگزر اور بخشش کو دیکھے گی‘ زبان جس کی تعبیر سے قاصر اور فکر اس کے تصور سے بے بس ہے۔ تب تمام خلائق اس کی رحمت کی منتظر ہو گی مگر رحمت ان لوگوں کے لئے مختص ہو گی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ امید آپ کیسے رکھ سکتے ہیں؟ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اس امید مذکور کا آپ کو کیسے علم ہوا؟

تو ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے‘ اس کی عنایات تمام مخلوقات پر عام ہیں۔ ہم اس دنیاوی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمیں اور دیگر لوگوں کو لامحدود نعمتیں حاصل ہیں خاص طور پر روز قیامت کے متعلق اللہ کے یہ فرامین ﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ ﴾‘ ﴿ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ﴾ اور ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ﴾ (الفرقان:٢٥/٢٦) ’’اس امر پر دلالت کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں اس نے ایک حصہ اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا ہے‘ اس رحمت ہی کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے ساتھ رحم اور عاطفت سے پیش آتے ہیں حتیٰ کہ ایک چوپائے کا پاؤں اگر اس کے بچے پر آ جائے تو وہ اپنے پاؤں کو اٹھا لیتا ہے تاکہ وہ اس کو روند نہ ڈالے یہ اس رحم کی وجہ سے ہے جو اس چوپائے کے دل میں ودیعت کیا گیا ہے۔ جب قیامت کا روز ہو گا تو رحمت کا یہ حصہ بھی ننانوے حصے میں شامل ہو جائے گا‘ اور اللہ رحمت کے ان سو حصوں کے ساتھ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔‘‘① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’ماں اپنی اولاد کے لئے جس قدر رحیم ہے اللہ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں کے لئے رحیم ہے۔‘‘②

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بارے میں آپ جو چاہیں کہیں وہ آپ کے اندازوں اور آپ کے تصور سے کہیں زیادہ ہے...... پس پاک ہے وہ ذات‘ جو اپنے عدل و انصاف اور سزا دینے میں اسی طرح رحیم ہے جس طرح وہ اپنے فضل و احسان اور ثواب عطا کرنے میں رحیم ہے۔ بلند و بالا ہے وہ ہستی جس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے اور جس کا فضل و کرم ہر زندہ مخلوق کو شامل ہے‘ وہ اپنی بے نیازی کے باعث اپنے بندوں سے بالا و برتر اور ان پر نہایت رحم کرنے والا ہے۔ بندے اپنے تمام احوال میں ہمیشہ اس کے محتاج ہیں اور لمحہ بھر کے لئے اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴾ یعنی اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے ہاں سفارش نہیں کر سکے گا اور وہ صرف اس شخص کے لئے سفارش کی اجازت

---

① صحيح البخاري‘ الادب‘ باب جعل الله الرحمة في مائة جزء‘ ح:٦٠٠٠ و صحيح مسلم‘ التوبة‘ باب في سعة رحمة الله تعالى...... ح:٢٧٥٢۔

② صحيح البخاري‘ الادب‘ باب رحمة الولد وتقبيله و معانقته‘ ح:٥٩٩٩۔

دے گا جس کے لئے وہ راضی ہوگا، یعنی انبیاء و مرسلین اور مقرب بندوں کو صرف ان لوگوں کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی جن کی باتوں کو اللہ کی رضا حاصل ہوگی اور وہ صرف مخلص مومن ہیں۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی معدوم ہوگی تو کسی کے لئے کسی کی سفارش قبول نہ ہوگی۔

اس موقعے پر لوگ دو اقسام میں منقسم ہوں گے۔

(۱) اپنے کفر کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے، جنہیں ناکامی، حرماں نصیبی، جہنم میں دردناک عذاب، اور اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) وہ لوگ جو ان امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانے کے لئے ان کو حکم دیا گیا، نیک عمل کرتے رہے یعنی واجبات و مستحبات پر عمل پیرا رہے۔ ﴿فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا﴾ ''پس اسے ظلم کا خوف نہیں ہوگا۔'' یعنی اس کی اصل بداعمالیوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا ﴿وَّلَا هَضْمًا﴾ ''اور نہ حق تلفی کا۔'' یعنی نہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی بلکہ اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا، اس کے عیوب کو پاک کر دیا جائے گا اور اس کی نیکیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا جائے گا۔ فرمایا: ﴿وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (النساء: ٤/ ٤٠) ''اگر کوئی نیکی ہوگی تو وہ اسے دوگنا کر دے گا اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا کرے گا۔''

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ

اور اسی طرح نازل کیا ہم نے اس (قرآن) کو قرآن عربی، اور پھیر پھیر کر بیان کیں ہم نے اس میں وعیدیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں یا پیدا کر دے (قرآن) ان کے لیے نصیحت ○

یعنی اسی طرح ہم نے اس کتاب کو فضیلت والی عربی زبان میں نازل کیا ہے جس کو تم خوب سمجھتے ہو اور اس میں کامل تفقُّہ رکھتے ہو اور اس کے الفاظ و معانی تم پر مخفی نہیں ہیں۔ ﴿وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ﴾ یعنی اس کتاب میں ہم نے وعید کو بہت سی انواع کے ذریعے بیان کیا ہے۔ کبھی تو ان اسماء کے ذریعے سے بیان کیا ہے جو عدل و انتقام پر دلالت کرتے ہیں، کبھی اس عبرت ناک عذاب کے ذکر کے ذریعے سے اس وعید کو بیان کیا جو گزشتہ قوموں پر نازل ہوا اور حکم دیا کہ آنے والی امتیں اس سے عبرت حاصل کریں اور کبھی گناہوں کے آثار اور ان سے پیدا ہونے والے عیوب کو بیان کر کے اس وعید کا ذکر کیا۔ کبھی قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے دل کو ہلا دینے والے مناظر کو بیان کر کے اس وعید کا ذکر کیا۔ کبھی جہنم کے مناظر اور اس میں دیئے جانے والے مختلف انواع کے عذاب اور عقوبتوں کا ذکر کر کے اس وعید کو بیان کیا ہے۔

اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کی وجہ سے ہے، شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور گناہوں اور

معاصی کو چھوڑ دیں جن سے ان کو نقصان پہنچتا ہے۔ ﴿اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے نصیحت پیدا کر دے اور یہ لوگ نیک عمل کرنے لگیں جو ان کو فائدہ دیں...... پس اس کتاب کا عربی زبان میں نازل ہونا اور وعید کا مختلف طریقوں سے بیان ہونا' عمل صالح کا سب سے بڑا سبب اور سب سے بڑا داعی ہے۔ اگر یہ عظیم کتاب عربی زبان میں نہ ہوتی یا اس میں وعید کو مختلف انواع میں بیان نہ کیا گیا ہوتا تو اس میں یہ تاثیر نہ ہوتی۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ

پس بلند تر ہے اللہ بادشاہ برحق، اور نہ جلدی کریں آپ قرآن پڑھنے میں' پہلے اس سے کہ پوری کی جائے آپ کی طرف

وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

وحی اس کی اور کہیں، اے میرے رب! زیادہ کر مجھے علم میں ○

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حکم جزائی کا ذکر کیا جس سے اس کے بندے دوچار ہوتے ہیں اور حکم دینی و امری بیان فرمایا جو اس کتاب کریم میں نازل کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور اقتدار کے آثار ہیں تو فرمایا: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر نقص اور آفت سے پاک' بلند اور جلیل تر ہے ﴿الْمَلِكُ﴾ اقتدار' حاکمیت جس کا وصف ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک (غلام) ہے۔ اس کی بادشاہی کے قدری و شرعی احکام تمام مخلوق پر نافذ ہیں۔ ﴿الْحَقُّ﴾ یعنی اس کا وجود' اس کا اقتدار اور اس کا کمال سب حق ہے۔ پس صفات کمال کی مالک صرف ایسی ہستی ہو سکتی ہے جو ذی جلال ہو اور اس میں اقتدار بھی شامل ہے۔ بعض اوقات' اس کے سوا مخلوق بھی' بعض اشیاء پر اقتدار اور اختیار رکھتی ہے مگر یہ اقتدار ناقص اور باطل ہے جو زائل ہو جانے والا ہے...... مگر رب تعالیٰ ہمیشہ کے لیے بادشاہ حقیقی' جلال کا مالک اور قائم و دائم رہنے والا ہے۔

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ یعنی جب جبریل آپ ﷺ کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اس کو اخذ کرنے میں جلدی نہ کیجئے اس وقت تک صبر کیجئے جب تک کہ وہ تلاوت سے فارغ نہ ہو جائے۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہو جائے تب اس کو پڑھیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں جمع کرنے اور آپ کے اس کی قراءت کرنے کی ضمانت دی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (القیمہ: ۱۶/۷۵-۱۹) ''جلدی سے وحی پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے' اس کو جمع کرنا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے اور جب ہم اس وحی کو پڑھیں تو آپ اسی طرح پڑھا کریں پھر اس کے معانی کی تبیین و توضیح ہمارے ذمہ ہے۔''

چونکہ وحی کو اخذ کرنے کے لئے آپ ﷺ کی عجلت دلالت کرتی ہے کہ آپ علم کے ساتھ کامل محبت رکھتے

تھے اور اس کے حصول کے بے حد خواہش مند تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے لئے ازدیاد علم کی دعا کریں کیونکہ علم بھلائی ہے اور بھلائی کی کثرت مطلوب ہے اور یہ کثرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور اس کے حصول کا راستہ کوشش، شوق علم، اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا، اس سے مدد مانگنا اور ہر وقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھنا ہے۔ اس آیت کریمہ سے حصول علم کے آداب اخذ کئے جاتے ہیں۔ علم کی سماعت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ صبر سے کام لے یہاں تک کہ املا کرانے والا اور معلم اپنے کلام سے فارغ ہو جائیں جو لگاتار اور مسلسل ہے۔ اگر ذہن میں کوئی سوال ہے تو وہ اس وقت کیا جائے جب معلم فارغ ہو جائے۔ معلم کی قطع کلامی اور سوال کرنے میں عجلت سے باز رہے کیونکہ یہ حرماں نصیبی کا سبب ہے۔ اسی طرح مسئول کے لئے مناسب ہے کہ وہ سائل کے سوال کو لکھ لے اور جواب دینے سے قبل سائل کے مقصود کو اچھی طرح سمجھ لے، کیونکہ یہ صحیح جواب کا سبب ہے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ع ﴿١١٥﴾ ع ١٥ ١١ ٦

اور البتہ تحقیق عہد لیا تھا ہم نے آدم سے اس سے پہلے، پس بھول گیا وہ اور نہ پائی ہم نے اس میں ارادے کی پختگی ○

یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو وصیت کی، اسے حکم دیا اور اس سے عہد لیا کہ وہ اس پر قائم رہے۔ اس نے اس وصیت کا التزام کیا، اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اس کو قائم کرنے کا عزم کیا مگر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وصیت کو بھول گیا اور اس کا مضبوط عزم ٹوٹ گیا تب اس سے ایسی لغزش صادر ہوئی جسے سب جانتے ہیں۔ پس وہ اپنی اولاد کے لئے عبرت بن گیا اور اولاد آدم کی طبیعت اور فطرت آدم علیہ السلام کی طرح ہو گئی، آدم علیہ السلام سے بھول ہو گئی، اس کی اولاد بھی نسیان کا شکار ہو گئی، آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی اور اولاد بھی غلطی کا ارتکاب کرتی ہے۔ آدم علیہ السلام اپنے عزم پر قائم نہ رہ سکا اسی طرح اس کی اولاد اپنے عزم کو توڑ بیٹھتی ہے، آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کا اعتراف اور اقرار کر کے فوراً توبہ کر لی اور اس کی خطا کو بخش دیا گیا، جو کوئی اپنے باپ کی مشابہت اختیار کرتا ہے اس پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ پھر اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا

اور (یاد کرو!) جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو تم آدم کو، تو سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا ○ پس ہم نے کہا،

يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾

اے آدم! بلاشبہ یہ (ابلیس) دشمن ہے تیرا اور تیری بیوی کا، سو وہ نہ نکلوا دے تم دونوں کو جنت سے کہ تو مشقت میں پڑ جائے ○

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾

بلاشبہ تیرے لئے ہے (یہ فائدہ) کہ نہ بھوکا ہو گا تو اس میں اور نہ ننگا ○ اور بیشک تو نہ پیاسا ہو گا اس میں اور نہ تجھے دھوپ لگے گی ○

فَوَسْوَسَ اِلَیْہِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ ہَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ

پس وسوسہ ڈالا اسکی طرف شیطان نے، اس نے کہا، اے آدم! کیا دلالت کروں میں تجھے اوپر ہمیشگی کے درخت اور ایسی بادشاہی کے

لَّا یَبْلٰی ﴿۱۲۰﴾ فَاَکَلَا مِنْھَا فَبَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ

جو پرانی نہ ہو؟ ○ پس کھایا ان دونوں نے اس میں سے، تو ظاہر ہوگئی ان پر شرمگاہ ان دونوں کی، اور شروع ہوئے وہ دونوں چپکاتے تھے

عَلَیْھِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ ز وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ﴿۱۲۱﴾ صلے ثُمَّ اجْتَبٰہُ

اپنے اوپر پتے جنت کے، اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی، پس وہ بھٹک گیا ○ پھر برگزیدہ کیا اسے

رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ وَھَدٰی ﴿۱۲۲﴾

اس کے رب نے اور توجہ کی اس پر اور ہدایت دی اسے ○

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کو مکمل کیا، انہیں اشیاء کے نام سکھائے، انہیں فضیلت اور تکریم بخشی اور ان کے اکرام و تعظیم اور ان کی جلالت شان کو تسلیم کروانے کے لئے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور فرشتے اس حکم کو مانتے ہوئے فوراً سجدہ ریز ہوگئے۔ ان فرشتوں کے اندر ابلیس بھی تھا اس نے تکبر کی وجہ سے اپنے رب کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ اس نے کہا: ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ (الاعراف: ۱۲/۷) ”میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔“ تب آدم اور ان کی بیوی کے ساتھ حد کو پہنچی ہوئی اس کی عداوت ظاہر ہوئی۔ چونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کا وہ حسد بھی ظاہر ہو گیا جو اس عداوت کا سبب تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو اس سے چوکنا رہنے کا حکم دیا۔ فرمایا: ﴿فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ فَتَشْقٰی﴾ اگر تمہیں جنت سے نکال دیا گیا تو تم بدنصیب ٹھہرو گے کیونکہ جنت میں تمہارے لئے لامحدود رزق اور راحت کامل ہے۔

﴿اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی ○ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی﴾ یعنی وہاں تجھے سورج کی دھوپ نہیں لگے گی۔ وہاں دائمی طور پر مطعومات و مشروبات، لباس اور پانی کی فراہمی، تکان وغیرہ کی عدم موجودگی کی ضمانت ہوگی۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک معین درخت کے قریب جانے سے روک دیا۔ فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (البقرۃ: ۳۵/۲) ”تم دونوں اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ ظالموں میں ہو جاؤ گے۔“

شیطان ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہا اور ان کے سامنے اس درخت کے پھل کے کھانے کو مزین کرتا رہا، چنانچہ وہ ان سے کہتا: ﴿ھَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ﴾ یعنی جو کوئی اس کو کھائے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ ﴿وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی﴾ اور جب وہ اس درخت کا پھل کھا لے گا تو ایسی بادشاہت حاصل ہوگی جو کبھی منقطع

نہ ہوگی۔ شیطان آدم علیہ السلام کے پاس ایک ناصح کی صورت میں آیا بڑی نرمی اور حیلہ سازی کے ساتھ آدم علیہ السلام سے بات چیت کی۔ آدم علیہ السلام اس کے فریب میں آ گئے اور یوں آدم اور حواء علیہما السلام نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اس پر ان کو سخت ندامت ہوئی' ان کا لباس اتر گیا اور ان کی نافرمانی ان کے سامنے واضح ہوگئی ایک دوسرے کے سامنے ان کے ستر کھل گئے' حالانکہ اس سے قبل وہ دونوں ستر پوش تھے۔ انہوں نے جنت کے درختوں کے پتوں کے ذریعے سے اپنے آپ کو ڈھانپنا شروع کیا تاکہ اس طرح وہ ستر پوشی کر سکیں۔ اس پر انہیں اس قدر خجالت ہوئی جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ ''اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گیا۔'' پس انہوں نے فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الاعراف: ۲۳/۷) ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا' اگر تو ہمیں بخش نہ دے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' پس حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے رب نے چن لیا اور ان کو توبہ کی توفیق سے نوازا۔ ﴿فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور راہ راست کی طرف ان کی راہنمائی کی اور حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کے بعد کا حال توبہ سے پہلے کے حال سے بہتر تھا۔ دشمن کا مکر و فریب اسی کی طرف پلٹ گیا اس کی چال الٹ گئی اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام ہوگیا اور ان پر واجب ہوگیا کہ وہ اس کو قائم رکھیں اور اس کا اعتراف کریں' نیز وہ اپنے دشمن سے بچتے رہیں جو دن رات ان کی تاک میں رہتا ہے۔ فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭاِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف: ۲۷/۷) ''اے بنی آدم! دیکھنا کہیں شیطان تمہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا تھا۔ یعنی ان کا لباس اتروایا تاکہ ان کے سامنے ان کا ستر کھول دے۔ وہ اور اس کے بھائی بند تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ہم نے شیطان کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔''

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ۬

اللہ نے کہا، اتر جاؤ تم دونوں اس سے اکٹھے تمہارا ایک، دوسرے کیلئے دشمن ہے، پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت،

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ

تو جس شخص نے پیروی کی میری ہدایت کی، سو نہ گمراہ ہوگا وہ اور نہ وہ مشقت میں پڑے گا○ اور جس نے اعراض کیا میری یاد سے تو بلاشبہ

لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى

اس کیلئے گزران ہوگی تنگ اور ہم اٹھائیں گے اسے دن قیامت کے اندھا (کر کے)○ وہ کہے گا اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے اندھا

وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا (١٢٥) قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ

حالانکہ تھا میں (دنیا میں) دیکھنے والا؟ ○ اللہ کہے گا، اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس نشانیاں ہماری، پس بھول گیا تھا تو انہیں، اور اسی طرح

اَلْيَوْمَ تُنْسٰى (١٢٦) وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ

آج کے دن بھلا دیا جائے گا تو بھی ○ اور اسی طرح سزا دیں گے ہم اس شخص کو جو حد سے بڑھ گیا اور نہ ایمان لایا وہ

بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى (١٢٧)

آیتوں پر اپنے رب کی، اور البتہ عذاب آخرت کا زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام اور ابلیس کو حکم دیا کہ وہ زمین پر اتر جائیں، آدم اور ان کی اولاد شیطان کو اپنا دشمن سمجھیں اور اس سے بچیں اس کا مقابلہ کرنے اور جنگ کے لئے تیار رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر کتابیں نازل کرے گا ان کی طرف رسول بھیجے گا جو ان کے سامنے صراط مستقیم کو واضح کریں گے جو ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت تک پہنچاتا ہے، نیز وہ ان کو ان کے دشمن سے متنبہ اور چوکنا کریں گے، لہٰذا ان کے پاس جس وقت بھی یہ ہدایت آ جائے...... یعنی کتاب اور انبیاء ومرسلین...... پس اگر کسی نے اس کتاب کی اتباع کی، ان امور پر عمل کیا جن کا اس نے حکم دیا اور ان امور سے اجتناب کیا جن سے اس نے منع کیا تو ایسا شخص دنیا میں گمراہ ہو گا نہ آخرت میں اور نہ وہ دنیا و آخرت میں تکلیف میں پڑے گا بلکہ دونوں جہاں میں ان کی سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کی جائے گی اور آخرت میں ان کو امن اور سعادت سے نوازا جائے گا۔ ایک اور آیت کریمہ میں وارد ہے کہ آخرت میں حزن وخوف ان سے دور رہے گا۔ ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ: ٢/ ٣٨) ”پس جس کسی نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کے لئے کوئی خوف ہو گا نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔“ اور ”ہدایت“ کی پیروی یہ ہے کہ رسول کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کی جائے، شبہات کے ذریعے سے اس کے ساتھ معارضہ نہ کیا جائے، اس کے حکم کی اس طرح تعمیل کی جائے کہ کسی قسم کی خواہش اس کی معارض نہ ہو۔

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ﴾ یعنی جس کسی نے میری کتاب کریم سے اعراض کیا جس سے تمام مطالب عالیہ حاصل کئے جاتے ہیں اور اس سے روگردانی کر کے اس کو چھوڑ دیا، یا اس کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر برا سلوک کیا، یعنی اس کا انکار کر کے کفر کا ارتکاب کیا ﴿فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ یعنی اس کی سزا یہ ہو گی کہ ہم اس کی معیشت کو تنگ اور نہایت پر مشقت بنا دیں گے اور یہ معیشت اس کے لئے محض ایک عذاب ہو گی۔

”تنگ معیشت“ کی تفسیر بیان کی جاتی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے، یعنی اس کے لئے اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا وہ اس میں گھٹ کر رہ جائے گا اور اس کو عذاب دیا جائے گا یہ اس بات کی سزا ہے کہ اس نے اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کی تھی۔ یہ ان آیات میں سے ایک آیت ہے جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں۔

دوسری آیت کریمہ یہ ہے۔ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (الانعام: ٩٣/٦) ’’کاش آپ ان ظالموں کو اس وقت دیکھیں، جب یہ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔ (اور کہہ رہے ہوں گے) نکالو اپنی جان آج تمہیں انتہائی رسوا کن عذاب کی سزا دی جائے گی اس کا سبب یہ ہے کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھا کرتے تھے اور تم اس کی آیتوں کے ساتھ تکبر کیا کرتے تھے۔‘‘

تیسری آیت کریمہ یہ ہے۔ ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (السجدۃ: ٢١/٣٢) ’’ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب سے کمتر عذاب کا مزا بھی چکھائیں گے، شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔‘‘

چوتھی آیت کریمہ یہ ہے ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (المؤمن: ٤٦/٤٠) ’’انہیں صبح و شام آگ کے عذاب کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز کہا جائے گا کہ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔‘‘

جو چیز سلف میں سے بعض مفسرین کے لئے، اس آیت کریمہ کو عذاب قبر پر محمول کرنے اور صرف اسی پر اقتصار کرنے کی موجب بنی...... واللہ تعالیٰ اعلم...... وہ ہے آیت کریمہ کا آخر۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کے آخر میں قیامت کے عذاب کا ذکر کیا ہے۔

اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ’’تنگ معیشت‘‘ عام ہے یعنی اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کرنے والوں پر دنیا میں غم و ہموم اور مصائب و آلام کے جو پہاڑ ٹوٹتے ہیں، وہ عذاب معجّل ہے۔ برزخ میں بھی ان کو عذاب میں ڈالا جائے گا اور آخرت میں بھی عذاب میں داخل ہوں گے کیونکہ ’’تنگ معیشت‘‘ کو بغیر کسی قید کے مطلق طور پر بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَّنَحْشُرُهٗ﴾ ’’اور اکٹھا کریں گے ہم اس کو۔‘‘ یعنی اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے اس شخص کو ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے...... اور صحیح تفسیر یہی ہے...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾ (بنی اسراء یل: ٩٧/١٧) ’’اور قیامت کے روز ان لوگوں کو اندھے، گونگے اور بہرے ہونے کی حالت میں، اوندھے منہ اکٹھا کریں گے۔‘‘ وہ نہایت ذلت، الم اور اس حالت پر تنگ دلی کے ساتھ کہے گا: ﴿رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾ ’’اے میرے رب! کس بنا پر میری یہ بری حالت ہے میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا؟‘‘ ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ

اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا﴾ ''اللہ کہے گا' اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں' تو تو نے ان کو بھلا دیا تھا۔'' یعنی تو نے روگردانی کے ذریعے سے ان کو فراموش کر دیا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ ''اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا۔'' یعنی تجھے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔ پس جواب دیا گیا کہ یہ بعینہ تیرا عمل ہے کیونکہ جزا عمل ہی کی جنس سے ہوتی ہے۔ جس طرح تو نے اپنے رب کے ذکر کے بارے میں اندھے پن کا مظاہرہ کرکے اس سے منہ موڑا' اسے فراموش کیا اور اس میں سے اپنے حصے کو بھول گیا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے آخرت میں اندھا کر دیا ہے' تجھے اندھا بہرہ اور گونگا بنا کر جہنم کی طرف لے جایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے تجھے جہنم میں جھونک کر تجھ سے منہ پھیر لیا۔

﴿وَكَذٰلِكَ﴾ یعنی یہ جزا ﴿نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ﴾ اس شخص کے لئے ہے جس نے حدود سے تجاوز کیا اور جن امور کی اجازت دی گئی ہے ان سے آگے بڑھ کر محرمات کا مرتکب ہوا ﴿وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ﴾ اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لایا جو تمام مطالب ایمان پر واضح طور پر اور صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر ہرگز ظلم نہیں کیا اور نہ غیر مستحق کو سزا دی ہے بلکہ اس کا سبب تو صرف اس کا اسراف اور عدم ایمان ہے۔ ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ﴾ دنیا کے عذاب کے برعکس آخرت کا عذاب کئی گنا زیادہ سخت ہوگا۔ ﴿وَاَبْقٰى﴾ اور دنیا کے عذاب کے برعکس آخرت کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا کیونکہ دنیا کا عذاب تو کبھی نہ کبھی منقطع ہو جاتا ہے۔ پس آخرت کے عذاب سے ڈرنا اور اس سے بچنا واجب ہے۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ط

کیا پس نہیں رہنمائی کی انکی (اس چیز نے) کہ کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے قومیں، کہ وہ لوگ چلتے ہیں انکے مکانوں میں،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ع ﴿۱۲۸﴾

بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اہل عقل کے لیے ○

ع ۱۴ / ۱۶

ان جھٹلانے والوں اور آیات الٰہی سے روگردانی کرنے والوں کو' اس عذاب نے راہ ہدایت پر گامزن ہونے' گمراہی اور فساد کی راہ سے اجتناب کرنے پر آمادہ نہیں کیا' جو گزشتہ قوموں اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے والی امتوں پر نازل ہوا؟ یہ ان کے واقعات کو خوب جانتے ہیں' ان کے واقعات کو ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور ان قوموں کے مسکن اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں' مثلاً ہود' صالح اور لوط ﷺ کی قوموں کے اجڑے ہوئے مسکن۔ انہوں نے جب ہمارے رسولوں کو جھٹلایا اور ہماری کتابوں سے روگردانی کی تو ہم نے ان پر دردناک عذاب نازل کر دیا۔

کس چیز نے ان کو بے خوف کیا ہے کہ جو عذاب ان قوموں پر نازل ہوا تھا ان پر نازل نہیں ہوگا؟ ﴿اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ○ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ﴾ (القمر: ۵۴/۴۳۔۴۴)

”کیا تمہارے کفاران گزرے ہوئے لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے (گزشتہ) کتابوں میں براءت لکھ دی گئی ہے یا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بڑے مضبوط ہیں۔“ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی ان پر صادق نہیں آتی۔ یہ کفاران کافروں سے کسی لحاظ سے بھی بہتر نہیں کہ ان سے عذاب کو ٹال دیا جائے بلکہ یہ ان سے زیادہ شریر اور برے لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے افضل ترین رسول ﷺ اور بہترین کتاب کی تکذیب کی ہے اور نہ ان کے پاس کوئی تحریری براءت نامہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد نامہ ہے...... اور ایسا بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کی قوم انہیں کوئی فائدہ دے گی اور ان سے عذاب کو دور کر دے گی' بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ یہ ان سے زیادہ ذلیل اور ان سے زیادہ حقیر ہیں۔

پس گزشتہ قوموں کو ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ہلاک کرنا' ہدایت کے اسباب میں سے ہے کیونکہ یہ ان رسولوں کی رسالت کی' جو ان کے پاس آئے' صداقت کی اور ان قوموں کے موقف کے بطلان کی دلیل ہے۔ مگر ہر شخص آیات الٰہی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا صرف وہی لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کو عقل و دانش سے نوازا گیا ہے' یعنی عقل سلیم' فطرت مستقیم اور ذہن جو انسان کو ان امور سے روکتے ہیں جو اس کے لئے مناسب نہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ط (١٢٩) فَاصْبِرْ

اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے (طے) ہو چکی ہے آپکے رب کی طرف سے تو البتہ ہو جاتا (عذاب) چمٹنے والا، اور (اگر نہ ہوتی) میعاد مقرر ○ پس صبر کیجئے

عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ج

اوپر ان باتوں کے جو وہ (کافر) کہتے ہیں، اور تسبیح کیجئے ساتھ حمد کے اپنے رب کی پہلے طلوع آفتاب سے اور پہلے اسکے غروب ہونے سے،

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (١٣٠)

اور کچھ اوقات میں رات کے، پس تسبیح کیجئے، اور (دونوں) حصوں میں دن کے بھی، تا کہ آپ راضی ہو جائیں ○

یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی اور صبر کی ترغیب ہے کہ وہ ان جھٹلانے اور روگردانی کرنے والوں کے لئے جلدی ہلاکت کی خواہش نہ کریں۔ ان کا کفر اور تکذیب' ان پر عذاب نازل ہونے کے لئے ایک معقول سبب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سزاؤں کے لئے سبب مقرر کیا ہے جو گناہوں سے جنم لیتا ہے اور ان لوگوں نے نزول عذاب کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں مگر جس چیز نے اس عذاب کو مؤخر کر رکھا ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم جو مہلت دینے اور وقت مقرر کرنے کو متضمن ہے۔ وقت کا مقرر ہونا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا نفاذ' نزول عذاب کو اس وقت کے آنے تک کے لیے مؤخر کر دیتا ہے۔ شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کریں' اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے اور عذاب کو ان سے دور کر دے جب تک کہ اللہ کا کلمہ ان پر ثابت نہ ہو جائے۔

اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ ان کی قولی اذیتوں پر صبر کرے اور اس کے

مقابلے میں ان اوقات فاضلہ میں رب کی تسبیح وتحمید سے مدد لے...... یعنی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب' دن کے کناروں پر' یعنی اس کے اوائل اور اواخر میں...... یہ خصوص کے بعد عموم کا ذکر ہے...... نیز رات کے اوقات اور اس کی گھڑیوں میں۔ اگر آپ ﷺ اس پر عمل پیرا ہوئے تو شاید آپ ﷺ اپنے رب کے عطا کردہ دنیاوی اور اخروی ثواب پر راضی ہو جائیں' آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو' اپنے رب کی عبادت سے آپ آنکھیں ٹھنڈی کریں اور ان کی اذیت رسانی پر اس عبادت کے ذریعے سے دل کو تسلی ہو تب آپ ﷺ کے لیے صبر بہت آسان ہو جائے گا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ

اور نہ دراز کریں آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف کہ فائدہ دیا ہم نے ان کیساتھ کئی قسم کے لوگوں کو ان میں سے' رونق کا زندگانی

ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾

دنیا کی، تا کہ ہم آزمائیں انہیں اس میں، اور رزق آپ کے رب کا بہت بہتر اور دیرپا ہے ○

یعنی دنیا اور اس کی متاع' مثلاً لذیذ ماکولات ومشروبات' ملبوسات فاخرہ' آراستہ کیے ہوئے گھروں اور حسین وجمیل عورتوں سے حظ اٹھانے والوں کے احوال کو استحسان اور پسندیدگی کی نظر سے دوبارہ نہ دیکھیں' اس لیے کہ یہ سب کچھ دنیا کی خوبصورتی ہے اور اس سے صرف فریب خوردہ لوگ ہی خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنے والوں کی نظریں ہی اسے پسندیدگی سے دیکھتی ہیں۔ آخرت سے قطع نظر کر کے' صرف ظالم لوگ ہی اس سے متمتع ہوتے ہیں۔ پھر یہ دنیا سب کی سب' تیزی سے گزر جاتی ہے' اپنے چاہنے والوں اور عشاق کو بے موت مار دیتی ہے۔ پس دنیا سے محبت کرنے والے لوگ اس وقت نادم ہوں گے جب ندامت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے تب انہیں اپنی بے مائیگی کا علم ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے تو اس دنیا کو فتنہ اور آزمائش بنایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون اس کے پاس ٹھہرتا اور اس کے فریب میں مبتلا ہوتا ہے اور کون اچھے عمل کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى ٱلْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ○ وَإِنَّا لَجَٰعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا﴾ (الکھف:١٨/٧-٨) ''جو کچھ زمین پر موجود ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔ پھر جو کچھ اس زمین پر ہے ہم سب کو ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔''

﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ﴾ ''اور تیرے رب کا رزق'' دنیاوی رزق یعنی علم' ایمان اور اعمال صالحہ کے حقائق' اخروی رزق یعنی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں اور رب رحیم کے جوار رحمت میں سلامتی سے بھرپور زندگی۔ ﴿خَيْرٌ﴾ اپنی ذات وصفات میں اس زندگی سے بہتر ہے جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے ﴿وَأَبْقَىٰ﴾ ''اور پائدار

ہے‘‘ کیونکہ اس کے پھل کبھی ختم نہ ہوں گے اور اس کے سائے دائمی ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ (الاعلی: ١٦/٨٧۔١٧) ’’مگر تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت کی زندگی بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔‘‘ اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ جب دیکھے کہ اس کا نفس سرکشی اختیار کر کے دنیا کی زیب و زینت کی طرف مائل اور متوجہ ہے تو وہ اپنے رب کے اس رزق کو یاد کرے جو آئندہ زندگی میں اسے عطا ہونے والا ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان موازنہ کرے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ

اور حکم دیجیے اپنے گھر والوں کو نماز (پڑھنے) کا، اور (خود بھی) ثابت رہیے اس پر، نہیں سوال کرتے ہم آپ سے رزق کا،

نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

ہم ہی رزق دیتے ہیں آپ کو، اور (بہترین) انجام تو تقویٰ (والوں) ہی کا ہے ۝

اپنے گھر والوں کو نماز کی ترغیب دیجیے‘ انہیں فرض اور نفل نماز پڑھنے کا حکم دیتے رہیے اور کسی چیز کا حکم دینا ان تمام امور کو شامل ہے جن کے بغیر اس چیز کی تکمیل نہیں ہوتی۔ پس یہ حکم‘ اپنے گھر والوں کو نماز کے بارے میں ان امور کی تعلیم دینا ہے جو نماز کی اصلاح کرتے ہیں‘ جو نماز کو فاسد کرتے ہیں اور جو نماز کی تکمیل کرتے ہیں۔ ﴿وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ ’’اور خود بھی اس پر جمے رہیے۔‘‘ یعنی نماز پر‘ اس کی تمام حدود‘ اس کے ارکان‘ اس کے آداب اور اس کے خشوع و خضوع کے ساتھ۔ کیونکہ اس میں نفس کے لئے مشقت ہے۔ تاہم مناسب یہی ہے کہ دائمی طور پر نفس کو نماز پڑھنے پر مجبور اور اس کے ساتھ جہاد کرتے رہنا چاہیے اور اس پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ بندۂ مومن جب اس طریقے سے نماز قائم کرتا ہے جس طریقے سے قائم کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے تو نماز کے علاوہ دیگر دین کی حفاظت کرنے اور اس کو قائم کرنے کی اس سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے۔ اگر وہ نماز کو ضائع کرتا ہے تو دیگر دین کو زیادہ برے طریقے سے ضائع کرے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رزق کی ضمانت دی اور ترغیب دی کہ آپ اقامت دین کو چھوڑ کر حصول رزق میں مشغول نہ ہوں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ یعنی آپ کا رزق ہمارے ذمہ ہے ہم نے جس طرح تمام خلائق کے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لی ہے اسی طرح آپ کے رزق کی کفالت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اس شخص کے رزق کی ذمہ داری ہم پر کیسے نہ ہو جو ہمارے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور ہمارے ذکر میں مشغول رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا رزق متقی اور غیر متقی سب کے لئے عام ہے‘ اس لیے ان امور کا اہتمام کرنا چاہیے جن پر ابدی سعادت کا دارومدار ہے‘ اور وہ ہے تقویٰ۔ لہٰذا فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ﴾ یعنی دنیا و آخرت کا انجام ﴿لِلتَّقْوٰى﴾ تقویٰ کے لئے ہے اور تقویٰ سے مراد ہے مامورات کی تعمیل اور منہیات سے اجتناب۔ اور جو کوئی ان کو قائم کرتا

ہے انجام اسی کا اچھا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۲۸/۷) ”اور اچھا انجام متقین کا ہے۔“

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا

اور انہوں نے کہا، کیوں نہیں لاتا وہ ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی طرف سے؟ کیا نہیں آئی انکے پاس دلیل اس چیز کی جو کچھ

فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا

پہلے صحیفوں میں ہے؟○ اور اگر بیشک ہم ہلاک کر دیتے انکو ساتھ عذاب کے پہلے اس رسول سے تو البتہ کہتے وہ لوگ، اے ہمارے رب!

لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول پس ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی پہلے اس سے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے؟○

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ

آپ کہہ دیجئے! ہر ایک انتظار کرنے والا ہے سو تم بھی انتظار کرو، پس عنقریب تم جان لوگے کہ کون ہیں حامل

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

راہ راست کے اور کس نے ہدایت کو اپنایا؟ ○

رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے آپ سے کہتے ہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ نشانی سے ان کی مراد معجزات ہیں۔ یہ بات ان کے اس قول کی مانند ہے ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ○ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ○ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۹۰-۹۲) ”انہوں نے کہا کہ ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تو زمین سے ہمارے لئے چشمہ جاری نہ کرے۔ یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اور تو اس باغ کے درمیان نہریں جاری کر دے یا تو آسمان کو...... جیسا کہ تو دعویٰ کرتا ہے...... ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے یا تو اللہ اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آئے۔“ یہ ان کی طرف سے محض تعنت، عناد اور ظلم ہے۔ کیونکہ رسول اور وہ خود محض بشر اور اللہ کے بندے ہیں۔ ان کا اپنی خواہشات کے مطابق معجزات کا مطالبہ کرنا مناسب نہیں۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی حکمت کے مطابق آیات و معجزات کا انتخاب کر کے نازل کرتا ہے۔

چونکہ ان کا قول ﴿لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ تقاضا کرتا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر کوئی نشانی اور آپ کے حق ہونے پر دلیل نازل نہیں ہوئی...... حالانکہ یہ جھوٹ اور بہتان ہے کیونکہ آپ بڑے بڑے معجزات اور ناقابل تردید دلائل لے کر آئے کہ ان میں سے کسی ایک کے ذریعے سے مقصود حاصل ہو سکتا ہے اس لئے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ﴾ ”کیا ان کے پاس نہیں آئی۔“ اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں اور دلیل کے

ذریعے سے وہ حق کے متلاشی ہیں ﴿بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولٰى﴾ ''وہ دلیل جو پہلے صحیفوں میں ہے؟'' یعنی یہ قرآن عظیم ان تمام باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو گزشتہ صحیفوں، یعنی تورات، انجیل اور دیگر کتابوں میں نازل ہوئی ہیں اور انہی امور کے بارے میں خبر دیتا ہے جن کے بارے میں ان گزشتہ کتابوں نے خبر دی ہے۔ ان گزشتہ کتب اور صحیفوں میں اس قرآن عظیم کی تصدیق بھی موجود ہے اور اس کو لانے والے رسول کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (العنکبوت:۲۹/۵۱) ''کیا ان کے لئے یہی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب عظیم نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔'' آیات الٰہی اہل ایمان کو فائدہ دیتی ہیں، ان کی تلاوت سے ان کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہوتا ہے لیکن آیات الٰہی سے اعراض کرنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان پر ایمان رکھتے ہیں نہ ان سے کوئی فائدہ ہی اٹھاتے ہیں۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس:۱۰/۹۶-۹۷) ''بلاشبہ وہ لوگ جن پر تیرے رب کا حکم قرار پا چکا ہے خواہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے، وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔''

ان آیات کو ان کی طرف بھیجنے اور ان کے ذریعے سے ان سے مخاطب ہونے کا پس ایک ہی فائدہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی ہے تاکہ جب ان پر دردناک عذاب نازل ہو تو ان کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے: ﴿لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾ ''کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول، پس ہم تیری آیات کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے۔'' یعنی عقوبت کے ذریعے سے، لو تمہارے پاس، میری آیات و براہین کے ساتھ، میرا رسول آ گیا ہے اگر بات ایسے ہی ہے جیسے تم کہتے ہو تو اٹھو اس کی تصدیق کرو۔

اے محمد! (ﷺ) ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے ہیں ''اس کے بارے میں گردش زمانہ کا انتظار کرو'' ﴿قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ﴾ ''کہہ دیجئے! ہم میں سے ہر ایک منتظر ہے۔'' ''تم میری موت کا انتظار کرو میں تم پر عذاب الٰہی کے ٹوٹ پڑنے کا انتظار کرتا ہوں۔ ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ (التوبة:۹/۵۲) ''کہہ دیجیے کہ تم ہمارے بارے میں بس دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو'' یعنی کامیابی یا شہادت ﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا﴾ (التوبة:۹/۵۲) ''اور ہم اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیجے یا ہمارے ہاتھوں تمہیں کوئی سزا دے۔''

﴿فَتَرَبَّصُوۡا فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ﴾ ''پس تم انتظار کرو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستے (یعنی صراط مستقیم) والے کون ہیں؟'' ﴿وَمَنِ اهۡتَدٰی﴾ ''اور کون ہدایت یافتہ ہے؟'' یعنی اپنے طرز عمل کے اعتبار سے، میں یا تم؟ کیونکہ اس راستے پر چلنے والا شخص ہی صاحب رشد و ہدایت، فوز و فلاح سے بہرہ ور اور نجات یافتہ ہے اور جو کوئی اس راستے سے منہ موڑتا ہے وہ خائب و خاسر اور عذاب کا مستحق ہے اور یہ حقیقت واضح طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ صراط مستقیم پر گامزن ہیں اور آپ کے دشمن اس کے برعکس راستوں پر چل رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔